مئی ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

حالیہ ملکی سیاسی صورت حال کے بعض خوش آئند پہلو اور

قومی اتحاد و یگانگت کی واحد مثبت اساس قرآنِ حکی

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ عی

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کی علمی و فکری اور دعوتی و تحریکی کاوشوں کا نچوڑ

۲۸۰ صفحات پر مشتمل ایک اہم علمی دستاویز جس میں عکسی خطوط کی نشاندہی بھی موجود ہے

دعوت
رجوع اِلی القرآن
کا منظر و پس منظر

چھپ کر آگئی ہے ـــــ ضرور مطالعہ کیجئے ـــــ دوسروں تک پہنچائیے

■ سفید کاغذ ■ عمدہ کتابت ■ دیدہ زیب طباعت ■ قیمت مجلد -/۶۵ روپے ■ غیر مجلد -/۵۰ روپے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۳۹
شمارہ: ۵
شوال المکرم ۱۴۱۰ھ
مئی ۱۹۹۰ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرِ تعاون -/۵۰

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱ - داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❖ عرضِ احوال ——————— ۳
——— عاکف سعید
❖ تذکرہ و تبصرہ ——————— ۷
ملکی سیاسی صورتِ حال کے بعض خوش آئند پہلو۔ اور
قومی اتحاد و یگانگت کی واحد مثبت اساس، قرآن حکیم
——— امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ عید
❖ نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت (۲) ——————— ۲۳
امیر تنظیم اسلامی کے فکر انگیز خطاب کی آخری قسط
❖ رفتارِ کار ——————— ۶۱
لاہور میں تنظیم اسلامی حلقۂ خواتین کی دعوتی و تحریکی سرگرمیاں
——— مرتبہ : بیگم شیخ رحیم الدّین
❖ تنظیمِ اسلامی کی ہیئتِ تنظیمی اور نظام العمل ——— ۶۵

معزز قارئین کرام!

اپنے زرِ تعاون کی میعاد جو کہ آپ کے نام / پتہ کے لیبل پر درج ہے، ختم ہونے پر براہِ کرم ہمیں جلد از جلد مطلع فرمادیں کہ آپ کے نام پرچہ بدستور جاری رکھا جائے؟ اس سے ہمیں یہ بھی اطمینان رہے گا کہ پرچہ آپ تک پہنچ رہا ہے اور آپ کا پتہ تبدیل نہیں ہوا ہے۔ اگر آپ زرِ تعاون بذریعہ وی۔پی۔پی ادا کرنا چاہیں تو اس کے لیے بروقت ہمیں تحریر فرمائیں!

شکریہ آپ کے تعاون کے متمنی

——— مینجر سرکولیشن ———

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ سوال

ملک کے اکثر حصوں میں اس بار عید الفطر مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اعلان کے مطابق جمعۃ المبارک کو منائی گئی جبکہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کے بعض حصوں میں جمعرات کا دن یومِ عید قرار پایا۔ اور یوں ایک بار پھر اس سوال نے شدت کے ساتھ سر اٹھایا کہ اس معاملے میں اگر رویتِ بصری ہی شرط ہے تو شمالاً جنوباً لگ بھگ ڈیڑھ ہزار میل کے عرض میں پھیلے ہوئے ایک ملک کے کسی ایک خطے میں دیکھے جانے والے چاند کا اطلاق پورے ملک پر کیونکر ہو؟ پھر تو رمضان اور عید وغیرہ کے معاملے میں ہر علاقے میں مقامی رویت کا اعتبار ضروری ٹھہرے گا۔ اس پہلو سے کسی ایک ملک میں دو دو یا تین تین عیدوں کا ہونا بھی قرینِ امکان ہوگا اور اس پر تشویش بے جا قرار پائے گی۔ اور اگر عید کو قومی وملی یکجہتی کی علامت تصور کیا جائے اور ضروری خیال کیا جائے کہ پورے ملک میں ایک ہی عید ہونی چاہیے تو پھر اس معاملے کو کسی ایک ملک اور اس کی سرحدی حدود تک محدود کرنے کی بجائے پورے عالمِ اسلام کو ایک وحدت تصور کرتے ہوئے پوری دنیا میں ایک ہی دن عید منانا زیادہ قرینِ عقل ومنطق ہوگا۔ اس لیے کہ کراچی اور حیدر آباد کی نسبت امرتسر اور دہلی فاصلے کے اعتبار سے مردان یا بنوں سے زیادہ قریب ہیں۔ بنوں میں دیکھے گئے چاند کا اعتبار اگر کراچی میں کیا جاسکتا ہے تو دہلی میں کیوں نہیں کیا جاسکتا جو مکانی اعتبار سے قریب تر ہے! کیا سرحد پر کھنچی ہوئی محض ایک سیاسی اور جغرافیائی سی لکیر اِس معاملے میں رکاوٹ بن سکتی ہے؟ اِس نوع کے سوالات قریباً ہر سال عید بقر عید کے موقع پر سوچنے سمجھنے والے ذہنوں کو پریشان کرتے ہیں۔ اور علماء کرام کے ذمے ہے کہ وہ اِس معاملے کے جملہ پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس بارے میں ایک واضح رائے لوگوں کے سامنے رکھیں تاکہ قوم کو اِس معاملے میں ذہنی یکسوئی حاصل ہوسکے۔

آج سے قریباً بائیس برس قبل سابق صدر ایوب خان کے دورِ حکومت کے آخری ایام میں بھی ہلالِ عید کے مسئلے نے بڑی شدت سے سر اٹھایا تھا اور ملک میں دو عیدیں منائی

جانے کے باعث خاصی بدمزگی پیدا ہوئی تھی۔ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اُس موقع پر 'میثاق' کے انہی صفحات میں اِس موضوع پر قلم اٹھایا تھا اور اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کو کھول کر سامنے رکھا تھا۔ انہوں نے علماء کرام سے یہ اپیل بھی کی تھی کہ وہ اس معاملے میں قوم کو صحیح رہنمائی دیں اور انہیں ذہنی عذاب سے نجات دلائیں لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! (امیر تنظیم کا یہ مضمون اب 'اسلام اور پاکستان' نامی کتابچے میں شامل ہے)

اس سال مسجد دارالسلام میں نمازِ عید کا وقت پونے چھ بجے طے کیا گیا تھا۔ بعض احباب کا خیال تھا کہ اتنی صبح لوگوں کے لیے نمازِ عید کے لیے پہنچنا دشوار ہوگا۔ اور اس بار اُتنا بڑا اجتماع نہیں ہو سکے گا جتنا کہ اِس سے پہلے یہاں کا معمول رہا ہے لیکن الحمدللہ کہ شرکاء کا ذوق و شوق دیدنی تھا۔ وقت سے پہلے ہی مسجد دارالسلام سے ملحق تمام پلاٹ اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آتے تھے۔ تعدادِ شرکاء کے اعتبار سے یہ اجتماعِ عید گزشتہ تمام اجتماعات سے زیادہ بھرپور تھا۔ امیر تنظیم نے اپنے خطابِ عید میں بہت کم وقت میں بہت سی باتوں پر اظہارِ خیال فرمایا۔ اِس مختصر مگر جامع خطاب کو اِسی شمارے میں شامل کیا گیا ہے۔

اس سالانہ اجتماع کے موقع پر تنظیم کا نظام العمل جس کی ضرورت ایک عرصے سے شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، چھپ کر آ گیا تھا اور اس کا اجتماعی مطالعہ بھی رفقاء کو کرایا گیا تھا۔ اور اگرچہ اس کی ترتیب و تسوید امیر تنظیم اسلامی اور شوریٰ کے اُن ارکان کی جو لاہور ہی میں مقیم ہیں، شدید محنت اور کوشش کی مرہونِ منت تھی، لیکن چونکہ اسے اجتماع سے قبل عجلت میں تیار کیا گیا تھا لہٰذا اسے فوری طور پر نافذ العمل قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس میں ترمیم یا اضافے کی گنجائش رکھتے ہوئے رفقاء سے ایک معیّن وقت کے اندر اندر تجاویز اور سفارشات طلب کی گئیں تاکہ پھر اسے حتمی شکل دی جا سکے۔ الحمدللہ کہ بعض بہت مفید تجاویز بھی سامنے آئیں جن کی روشنی میں نظام العمل کو مناسب حک و اضافے کے بعد حتمی شکل دے دی گئی ہے۔ یہ 'نظام العمل' بھی اِسی شمارے میں شامل ہے۔

مارچ ۱۹۹۰ء کے 'میثاق' میں شائع شدہ 'نقضِ غزل' کی مفصّل قسط پر بعض احباب اور بزرگوں کی جانب سے ہمیں خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں بعض تأثراتی نوعیت کے ہیں اور بعض میں جزوی طور پر بعض واقعات کے بارے میں شک اور اختلاف رائے کا اظہار کیا گیا تھا۔ خواہش تو یہ تھی کہ اُن خطوط اور اُن کے جواب میں محترم ڈاکٹر صاحب کی توضیحات کو اِسی شمارے میں شامل کیا جاتا لیکن بوجوہ ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ 'میثاق' کے آئندہ پرچے میں اِن شاء اللہ العزیز اِن چیزوں کو شاملِ اشاعت کیا جائے گا۔

---

۲۱ اپریل کو مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام حسبِ سابق الحمرا آرٹ کونسل میں یوم اقبال کے حوالے سے ایک بھرپور تقریب منعقد ہوئی جس میں اس بار بھی پچھلے بعض مواقع کی مانند امیرِ تنظیم اسلامی کو بطور خاص دعوتِ خطاب دی گئی تھی۔ ماہِ رمضان کے دوران دورۂ ترجمۂ قرآن کی شدید مصروفیت کے باعث امیر محترم نے پوری کوشش کی کہ ان کی معذرت قبول کر لی جائے لیکن منتظمین امیر محترم کی شرکت پر مُصر رہے۔ امیر محترم نے اپنے خطاب میں جہاں فکرِ اقبال کے حوالے سے 'رجوع الی القرآن' کی اہمیت پر زور دیا وہاں ملکی سیاسی صورتِ حال کے تناظر میں مسلم لیگ کے احیاء کی ضرورت کو شدت سے اجاگر کیا۔ یہ پوری تقریر ہفت روزہ 'ندا' کی ۸ رمئی کی اشاعت میں شائع ہو گئی ہے۔ 'میثاق' کے اکثر قارئین چونکہ 'ندا' کا مطالعہ بھی باقاعدگی سے کرتے ہیں لہٰذا اِس تقریر کا 'میثاق' میں اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا!

پاکستان کا مستقبل
روشن یا تاریک؟

کے عنوان سے امیرِ تنظیم اسلامی کا فکر انگیز خطاب

جو انہوں نے ۲۳ مارچ کو یوم قرارداد پاکستان کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا؛ اِن شاءَ العزیز 'میثاق' کی آئندہ اشاعت میں شامل ہو گا۔

ایف اے / ایف ایس سی اور بی اے / بی ایس سی کے امتحانات سے فارغ طلبہ کے

فارغ اوقات کا بہترین اور بامقصد مصرف!

۱۹ مئی ۱۹۹۰ء سے قرآن کالج لاہور میں مذکورہ بالا طلبہ کے لیے

۱۵ ہفتوں پر مشتمل ایک دینی معلوماتی کورس

کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل مضامین کی تدریس ہو گی ان شاء اللہ

۱۔ نماز و قراءتِ قرآن کی تصحیح ۲۔ عربی گرامر

۳۔ سیرت النبیؐ و مطالعہ دینی لٹریچر ۴۔ قرآنِ حکیم کے منتخب اسباق

۵۔ تاریخِ جمع و تدوینِ حدیث ۶۔ تعارف و ترجمۂ قرآن

نوٹ :

- اس کورس میں رجسٹریشن کی آخری تاریخ ۱۷ مئی ہے۔
- اوقاتِ تعلیم صبح ۸ بجے سے دوپہر ایک بجے تک ہوں گے۔
- کورس فیس مبلغ -/۵۰۰ روپے ہے جس میں جملہ کتب اور کورس میٹریل کی قیمت شامل ہے۔ (مستحق طلبہ کے لیے رعایت کی گنجائش ہو گی)
- تدریس کا آغاز ۱۹ مئی سے ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

المعلن : ناظم قرآن کالج لاہور - ۱۹۱ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن

زیرِ اہتمام : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

تذکرہ وتبصرہ

حالیہ ملکی سیاسی صورتحال کے بعض خوش آئند پہلو اور قومی اتحاد و یگانگت کی واحد مثبت اساس قرآنِ حکیم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا خطابِ عید

ترتیب و تسوید : عاکف سعید

برادرانِ دین!

اللہ کا بڑا فضل و کرم ہے کہ پچھلے چند ہفتوں کے دوران ہمارے ملکی حالات میں جو بڑی تشویش ناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی' پچھلے چند دنوں سے اس میں بہتری کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔ میں ان میں سے بعض پہلو آج آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے دو حکم میرے پیش نظر ہیں۔ سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا : "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" کہ اگر تم میرے احسانات کا شکر ادا کرو گے تو میں اور احسانات فرماؤں گا۔ "وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو جان لو کہ میری سزا بھی بہت شدید ہے۔ اور دوسرا حکم جو میرے پیش نظر ہے وہ سورۃ الضحیٰ کی آخری آیت کے حوالے سے ہے کہ "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کہ اللہ کا جو انعام و احسان کسی بندے پر ہوا ہو' اسے چاہئے کہ اس کا چرچا کرے اور اس کو بیان کرے۔ میرے نزدیک اللہ کے فضل و کرم کے چار پہلو ایسے ہیں کہ جن کے اعتبار سے ہم مسلمانانِ پاکستان کو اللہ کا شکر قلب کی گہرائیوں سے ادا کرنا چاہئے۔

سیاسی کشیدگی میں بہتری کے آثار

قریباڈیڑھ سال کی مسلسل کشیدگی اور بیزار کن محاذ آرائی کے بعد اب الحمد للہ کہ ہماری مرکزی حکومت اور بعض صوبائی حکومتوں اور بالخصوص پنجاب کی حکومت میں'جو ہمارا سب سے بڑا صوبہ بھی ہے' کچھ مفاہمت کی فضا نظر آئی ہے-وہ فضاکہ جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں تھیں' مفاہمت کاوہ ماحول جو کہیں نظر نہیں آ رہا تھااب اللہ کافضل و کرم ہے کہ اس کے کچھ آثار نظر آنے لگے ہیں-اللہ کرے کہ یہ سراب نہ ہو حقیقت ہو' اللہ کرے کہ یہ بھی ایک سیاسی چال نہ ہو بلکہ دلی جذبے کے ساتھ اس کی ضرورت کا احساس ہو گیا ہو' اللہ کرے کہ یہ عارضی نہ ہو مستقل ہو۔

سندھ اور کراچی کے حالات : چند خوش آئند پہلو

اس کے ساتھ ہی اللہ کادوسرا بڑا فضل و کرم ہم پر یہ ہوا ہے کہ اگرچہ ہمارے بعض سیاست دان توبار بار یہ خبرِبد سناتے رہے کہ فیملی پلاننگ ہونے والی ہے' عنقریب جھاڑو پھرنے والی ہے' لیکن ظاہر بات ہے کہ اللہ کافضل و کرم اور اس کی مشیت و حکمت سب سے برتر ہے-حالات واقعی وہی تھے جو وہ سیاست دان بیان کر رہے تھے' اندیشہ تھاکہ کسی بھی وقت کوئی ہولناک تصادم اندرونِ سندھ ہو جائے اور بدترین خانہ جنگی کی فضا مسلّط ہو جائے لیکن اللہ کابڑا فضل ہے اور آپ بھی اس پر اللہ کاشکر ادا کیجئے کہ اندرونِ سندھ کوئی بڑا تصادم نہیں ہوا-جو کچھ اس وقت وہاں ہو رہاہے وہ تخریب کاری ہے یا ڈاکے ہیں-اور اس نوع کی تخریب کاری اور ڈاکہ زنی سے ملک کاکوئی بھی حصہ محفوظ نہیں ہے-بلکہ اب یہ صورت تو پنجاب میں بھی شدّت سے پیدا ہو گئی ہے-سندھ اور کراچی میں جو کچھ ہو رہاہے' یہ تخریب کاری ہے-کوئی دو چار اشخاص گاڑی میں بیٹھے ہوئے آئیں اور فائرنگ کرتے گزر جائیں-یہ جانی حادثہ اور نقصان تو یقیناً ہے' لیکن یہ معاملہ قومیتّوں کے کھلے تصادم سے بہت مختلف ہے-اللہ کا

فضل ہے کہ اندرونِ سندھ اب وہ فضا نہیں ہے جو پہلے تھی - ڈاکوں اور تخریب کاری کا سلسلہ البتہ جاری ہے - اللہ تعالیٰ ہمیں ان دو مصیبتوں سے بھی نجات دے - (آمین)

کراچی کی صورت حال بھی اللہ کے فضل و کرم سے اب بہتر ہے - ہمیں اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ساتھ اپنی افواج اور صدر مملکت کا بھی شکر گزار ہونا چاہئے کہ الطاف حسین صاحب کے مرن برت سے وہاں جو انتہائی خوفناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی وہ اب کم از کم وقتی طور پر ٹل گئی ہے - میں سمجھتا ہوں کہ فوج کی طرف سے بروقت کارروائی اور فیصلہ کن انداز میں اپنی قوت کا مظاہرہ اس معاملے میں بہت مؤثر رہا - پھر صدر مملکت کے ساتھ ساتھ بعض بزرگ سیاست دانوں نے بھی اس معاملے میں قابل تعریف کردار ادا کیا - نوابزادہ نصر اللہ خان صاحب ہمارے بزرگوں میں سے ہیں - ان کی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے بار آور فرمایا - اور صورت حال کی کشیدگی جو اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی الحمد للہ کہ اب بہت حد تک اعتدال پر آگئی ہے - اگرچہ ان دنوں کراچی سے آنے والے بعض حضرات نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ صورت حال عارضی ہے اور عید کے بعد ایم کیو ایم اور پیپلز پارٹی والے پھر پر تول رہے ہیں، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم اللہ کو خلوصِ دل سے پکاریں، اس سے دعا کریں، جس کسی کے بس میں جو ہو وہ کر گزرے تو تمام معاملات کا اصل اختیار تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کی رحمت سے قوی امید ہے کہ وہ ہماری دست گیری فرمائے گا .... قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے خاص طور پر مکہ مکرمہ کے لئے مانگی تھی کہ "رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" میں آج سوچ رہا تھا کہ ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ ہمیں اس دعا کا ورد کرتے رہنا چاہئے - اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ هٰذِهِ الْبِلَادَ اٰمِنَةً - کہ اے اللہ اس ملک کو امن کا گہوارہ بنا دے - وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ - اور اے اللہ اس کے بسنے والوں کو رزق اور امن دونوں نعمتیں عطا فرما - وَوَفِّقْنَا اَنْ نُّقِيْمَ دِيْنَكَ الْمَتِيْنَ فِيْهَا - اور اے اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم تیرے دینِ متین کو یہاں قائم کر سکیں! ہمیں یہ امن

اس لئے چاہئے اور یہ مہلت ہمیں اس لئے درکار ہے کہ ہم اپنی اس کوتاہی کی تلافی کر سکیں کہ پاکستان کو بنے چوالیس برس ہو چکے ہیں (قمری حساب سے) لیکن یہ اپنے مقصدِ قیام کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکا - اس کی ذمہ داری کسی ایک فرد یا جماعت پر ڈالنا درست نہ ہوگا بلکہ ہم سب اس کے مجرم ہیں، ہم سب اللہ کے یہاں جواب دہ ہیں، اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں تو سب کو اپنا اپنا قصور نظر آئے گا - اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت دے کہ ہم توبہ کر سکیں اور اپنی پچھلی کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں - آمین -

کشمیر کے معاملے میں اتفاق رائے ، ایک نیک شگون

تیسرا معاملہ جس پر ہمیں اللہ کا تہِ دل سے شکر ادا کرنا چاہئے کشمیر کے حوالے سے ہے کہ یہ وہ واحد قومی و ملّی مسئلہ ہے جس پر حکومت اور اپوزیشن میں اتفاق رائے ہوا اور باہم افہام و تفہیم کی مثبت فضا قائم ہوئی - حالانکہ سیاست کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں - حکومت اور اپوزیشن کے درمیان گویا ہر مسئلہ کو 'Exploit' کرنے کے لئے ایک مقابلہ جاری رہتا ہے - لیکن اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا اس معاملے میں ہمارے مابین 'Concensus' رہا ہے - بعض سیاست دانوں نے اپنی تقریروں میں اگرچہ کسی قدر اختلاف کا اظہار کیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی حکومت آزاد کشمیر ہو یا مرکزی حکومت ہو، صوبائی حکومتیں ہوں یا سیاسی جماعتیں ہوں سبھی نے حکومت کی موجودہ پالیسی سے اتفاق کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ یہ صحیح خطوط پر ہے - یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس پالیسی پر جس طرح عمل ہونا چاہئے وہ نہیں ہو رہا ہے - میں خود اسلام آباد میں کشمیر کے مسئلہ پر حکومت کی بریفنگ کے موقع پر یہ کہہ کر آیا تھا کہ ہمارا 'Diplomatic Offensive' بھی بہت کمزور ہے - ایسا نہ ہو کہ ہم ابھی اس کو گرم کرنے اور اس رخ پر پیش قدمی کرنے میں ہی کافی وقت لگا دیں اور اُدھر جو لوہا گرم ہے وہ ٹھنڈا ہو جائے - چنانچہ اس معاملے میں یہ اختلاف رائے تو ہو سکتا ہے کہ آیا جتنا کام ہونا چاہئے تھا وہ ہو رہا ہے یا نہیں لیکن یہ کہ جس سمت میں ہونا چاہئے اس پر میرے نزدیک قوم میں کوئی اختلاف نہیں!

سیاست کے رُخ میں ایک خوشگوار تبدیلی کے آثار

چوتھی لائقِ تشکر اور قابلِ اطمینان بات جسے میں ملکی حالات میں ایک اہم پیش رفت قرار دیتا ہوں یہ ہے کہ ہمارے ہاں سیاست پچھلے ڈیڑھ سال بلکہ اس سے بھی زائد عرصے سے اصولوں کے بجائے صرف دو شہیدوں یا دو شخصیتوں کے گرد گھوم رہی تھی۔ میرا مشاہدہ ہے کہ اس صورت حال میں بہتری کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ اب تک انہی دو کے حوالے سے تمام معاملات و مسائل پر بات ہوتی تھی' انہی کو الیکشن مہم میں بنیادی حیثیت دی گئی تھی۔ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبروں کے بارے میں بھی فرمایا ہے اور یہ بات سورۃ البقرہ میں دو مرتبہ آئی ہے کہ "تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝" کہ یہ وہ گروہ ہے جو گزر گیا' جو انہوں نے کمایا وہ ان کے اپنے لئے تھا اور تمہارے لئے وہ ہو گا جو تم کماؤ گے اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ پیپلز پارٹی نے آتے ہی بھٹو صاحب کے نام کے ساتھ شہید کا لاحقہ لگا کر جس طرح جذباتی فضا پیدا کی تھی' میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب انہوں نے بھی اللہ کا شکر ہے کہ اپنی غلطیوں اور ان کے نتائج سے کچھ نہ کچھ سبق حاصل کیا ہے۔ اسی طرح ضیاء الحق صاحب کے نام کے ساتھ جس طرح ایک جذباتی فضا وابستہ کر دی گئی تھی میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی اب بہتری کے آثار ہیں۔ اور کچھ نہ کچھ حقیقت پسندی کا مظاہرہ دونوں جانب سے کیا جانے لگا ہے۔ اور یقیناً ملکی سیاست کے اعتبار سے یہ اچھی علامات ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ سیاست اصولوں اور نظریات کی بنیاد پر چلنی چاہئے۔ میں نے حال ہی میں یومِ اقبال کے موقع پر تقریر کی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ قابلِ تشویش بات اسے قرار دیا تھا کہ ہماری سیاست نظریاتی نہیں رہی جذباتی ہو گئی ہے۔ یہ اشخاص کے گرد گھومتی ہے یا مفادات کے بل پر استوار کی جاتی ہے۔ حالانکہ ہونی چاہئے نظریاتی سیاست! اس سیاسی تنزّل و انحطاط میں یقیناً ایک طویل مارشل لاء کا بھی عمل دخل تھا جس نے سیاست ہی کو ملک سے ختم کر دیا تھا۔ پھر غیر جماعتی انتخابات نے بھی نظریاتی

سیاست کی کونپل کو مزید مسل کر رکھ دیا- اور اس کے بعد یہ دو' شہیدوں' کی بنیاد پر نہایت بیزار کن سیاست پچھلے ڈیڑھ برس سے چل رہی تھی- لیکن اب الحمد للہ اس میں بہتری کے آثار میں دیکھ رہا ہوں-

جمہُوریت بہرصورت آمریت سے بہتر ہے!

یہ چار باتیں جو میں نے گن کر آپ کو بتائی ہیں اب ان پر دو اعتبارات سے میں آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں - پہلی بات یہ کہ ان سے نکلنے والے اس نتیجے کو مستقل طور پر ذہن میں بٹھالینا چاہئے کہ جمہوریت خواہ کتنی بھی بری ہو وہ آمریت سے بہر حال بہتر ہے خواہ وہ آمریت بظاہر کتنی ہی اچھی ہو! آمر ایک شخص ہوتا ہے' وہ شخص اپنی ذات میں خواہ کتنا ہی اچھا ہو' لیکن اس دور میں وہ جمہوریت کا بدل ہرگز نہیں بن سکتا- یہ ضرور ہے کہ ہمیں پاکستان میں ' اسلامی جمہوریت' کے لئے کوشش کرنی چاہئے لیکن جمہوریت بہر حال اس دور کا تقاضا ہے، خاص طور پر پاکستان کے مخصوص حالات میں جنہیں نظر انداز کرنا غیر دانش مندانہ فعل ہوگا- یہ ملک ووٹ کے ذریعہ سے قائم ہوا تھا تلوار کے ذریعہ سے قائم نہیں ہوا تھا- پھر اس کے مختلف علاقوں اور ان میں آباد مختلف لسانی قومیتوں کے مابین ان چالیس سالوں کے دوران اس قدر بُعدِ ذہنی واقع ہو چکا ہے کہ اب آمریت اس ملک کے لئے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے- یہ تو ممکن ہے کہ فتنہ و انتشار اور مخالفانہ آوازوں کو طاقت کے بل پر دبادیا جائے لیکن یہ تمام خرابیاں اندر ہی اندر کینسر کی طرح پروان چڑھتی ہیں- جبکہ جمہوریت کا معاملہ یہ ہے کہ اس نوع کی گھٹن اور حبس کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ ہر خرابی کھل کر سامنے آجاتی ہے- پھر اس میں لامحالہ "لواوردو" (Give & Take) کا اصول اپنانا پڑتا ہے- اس ضمن میں قاضی حسین احمد صاحب کا چند روز پہلے کا وہ بیان بہت عمدہ تھا- میں نے تو حسرت سے سوچا کہ کاش وہ پہلے دن ہی سے یہ انداز اختیار کر لیتے- انہوں نے بڑی حقیقت پسندانہ بات فرمائی تھی کہ جو عوام کا مینڈیٹ ہے اس کو تسلیم کیا جانا چاہئے- مرکز میں پیپلز پارٹی کو عوام کا مینڈیٹ ملا ہے ہمیں اس کو ذہناً تسلیم کرنا

چاہئے - پنجاب میں آئی جے آئی کو مینڈیٹ ملا ہے اُن کو چاہئے کہ وہ ہمیں تسلیم کریں! تو واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں 'Checks and Balances' ہوتے ہیں' احتساب کا معاملہ ہوتا ہے - یہ بھی واقعہ ہے کہ مرکز و پنجاب کی یہ محاذ آرائی جہاں بعض اعتبارات سے بڑی نقصان دہ ثابت ہوئی ہے وہاں اس میں ایک پہلو خوبی کا بھی ہے - اگر آئی جے آئی کی قوت میدان میں نہ ہوتی تو نہ جانے یہ یک رخا انداز کہاں تک چلا گیا ہوتا! یہ اباحیت پسندی اور یہ خالص سیکولرانہ سوچ نہ جانے کیا کیا گل کھلاتی! پھر وہ میوزک ۸۹ نہ معلوم ۹۰ء اور ۹۱ء میں کن کن لعنتوں کی شکل میں ظہور کرتا - یقیناً اس محاذ آرائی میں تشویش کا ایک بڑا پہلو بھی تھا لیکن یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہوریت میں منقسم اختیار (Divided Mendate) بھی بحالاتِ موجودہ افادیت سے بالکل خالی نہیں ہوتا! -

صحت مند سیاسی فضا کے لیے دو مضبوط سیاسی جماعتیں ناگزیر ہیں!

لیکن اس معاملے میں آئندہ کے اعتبار سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اِس وقت سیاسی سطح پر تنقید و احتساب اور کھینچ تان کا جو معاملہ ہے وہ عمودی تقسیم (Vertical Polarisation) کے تحت ہو رہا ہے - مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان محاذ آرائی اور تصادم اول روز سے جاری ہے - حالانکہ سیاسی رسہ کشی افقی (Horizontal) بنیادوں پر ہونی چاہئے - تبھی ملک میں صحت مند سیاسی فضا کی توقع کی جا سکے گی - ہمارے موجودہ جمہوری نظام کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دو مضبوط پارٹیاں ایک دوسرے کے مقابل ہونی چاہئیں اور اُن کی آپس کی سیاست اصولوں' نظریات اور منشور کی بنیاد پر ہونی چاہئے - یہ اگر نہیں ہوگا تو ہم قومی سیاسی زندگی کے اس منحوس چکر (Vicious Circle) سے نجات حاصل نہ کر سکیں گے جس کی لپیٹ میں ہم پچھلے چالیس سال سے آئے ہوئے ہیں - ہر ہوشمند انسان یہ جانتا ہے کہ اس ملک میں جمہوریت کے تجربے کی ایک بار پھر ناکامی ملک و ملت کے اعتبار سے اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہو سکتا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس سے اپنی امان میں رکھے۔

مسلم لیگ کا احیاء : وقت کی اہم ضرورت

میں نے اس بار یوم اقبال کی اپنی تقریر میں بھی جس کی بہت مختصر سی رپورٹنگ اخبار میں آئی تھی' یہ عرض کیا تھا اور یہ بات اس سے پہلے بھی میں بار بار مختلف مواقع پر عرض کرتا رہا ہوں کہ اصل ضرورت مسلم لیگ کو منظم کرنے اور نظریاتی سطح پر اس کے احیاء کی ہے۔ دو قومی نظریئے کی بنیاد پر عوامی سطح پر اس جماعت کی تنظیم نو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ یہ درحقیقت ہمارے ملک کے بقا اور اس میں جمہوریت کے بقا کا سوال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان قدیم مسلم لیگیوں کو ہمت دے جو کچھ لوگوں کو جمع کر سکتے ہوں اور مسلم لیگ کی تنظیم نو کر سکتے ہوں کہ وہ اس اہم کام پر کمربستہ ہو جائیں۔ میں تو یہاں تک کہتا رہا ہوں کہ اگر ایک وقت میں ایک آمر کے اشارے پر ایک کنونشن لیگ وجود میں آ سکتی تھی تو اس وقت قومی و ملکی تقاضے کے تحت ایسا کیوں نہیں ہو سکتا! مختلف قیادتوں نے مسلم لیگ کو آپس میں بانٹ رکھا ہے۔ کوئی کسی کی جیب میں ہے اور کوئی کسی کی جیب میں! ع "چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری" کا سا نقشہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ضرورت ہے کہ پھر کوئی کنونشن ہو جو کہ لیگی ذہن کے لوگوں کو اور مخلص کارکنوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرے۔ اللہ کرے کہ کوئی باہمت شخص اس کا بیڑا اٹھا لے!

مفاہمت کی موجودہ فضا ایک منفی بنیاد پر استوار ہے!

دوسری بات جو ہمارے لئے قابل غور ہے' ہمارے موجودہ اتحاد کے بارے میں ہے۔ برا نہ مانیئے گا' میں ایک تلخ حقیقت آپ کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں کہ یہ جو وقتی سی مفاہمت کی فضا قائم ہوئی ہے اور قوم کسی حد تک متحد نظر آ رہی ہے' یہ اتحاد مثبت اساسات پر نہیں ایک منفی اساس پر ہے! اتحاد بہرحال اپنی جگہ پر باعثِ برکت ہوتا ہے چاہے منفی بنیادوں پر ہو۔ لیکن جس طرح تحریک پاکستان کے موقع پر مسلمانانِ ہند کا اتحاد مثبت بنیادوں پر نہیں تھا' ہندو کا خوف تھا جس نے ہمیں جمع کر دیا تھا۔ ایک بڑی اور منظم قوم

سے ہمارا سابقہ تھا جو تعلیم ' سرمایہ اور تنظیم میں ہم سے بہت آگے تھی 'ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہمارا قومی تشخّص ختم کر دے گی - ہماری زبان اور کلچر کو مٹا دے گی! اس خوف نے ہمیں جمع کیا تھا' لیکن اس کے بعد چوالیس سال ہو چکے ہیں افسوس کہ ہم نے اس منفی بنیاد کو کسی مثبت جذبے کا رخ نہیں دیا! اب پھر ہماری صفوں میں جو تھوڑا بہت اتحاد نظر آ رہا ہے تو پھر شکریہ ادا کیجئے اسی ہندو قوم کا کہ یہ اس کے طرز عمل کا نتیجہ ہے - اس نے کشمیر میں مسلمانوں پر جس طرح مظالم کی انتہا کی ہے اور ہمارے قومی وجود کے لئے جو شدید خطرہ کھڑا کر دیا ہے ' یہی وہ چیز ہے کہ جس نے ہمیں جمع کیا ہے! میں پھر عرض کر رہا ہوں کہ اتحاد اپنی جگہ مبارک ہے - وہ اتحاد کہ جس نے ہمیں پاکستان لے دیا تھا اگرچہ وہ بھی مثبت نہیں تھا منفی تھا' لیکن اس کے ذریعے بھی تاریخ کا ایک عظیم معجزہ رونما ہوا تھا- آج بھی بھارت کے خوف نے ہمیں اکٹھا کر دیا ہے - اس پر بھی ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے- لیکن ہمارے لئے اصل کرنے کا کام یہ ہے کہ اس اتحاد کو مثبت بنیادوں پر استوار کریں!

اتحاد و مفاہمت کی واحد مثبت اساس : قرآن حکیم

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ انسانی اتحاد کی مثبت بنیادیں کیا ہوتی ہیں؟ انسانی اتحاد کی بنیادیں ہوتی ہیں نظریاتی ہم آہنگی اور مقاصد کا اشتراک! حیوانوں اور انسانوں میں نمایاں فرق یہی ہے - گایوں ' بھینسوں یا بکریوں اور بھیڑوں کے ایک بڑے گلے کو صرف ایک آدمی جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہو ' آسانی سے کنٹرول کر سکتا ہے - لیکن انسانوں کا معاملہ مختلف ہے - یہ حیوانِ عاقل ہے - اس کے نظریات ہوتے ہیں 'اس کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جن کے تحت وہ زندگی بسر کرتا ہے - نظریات کی ہم آہنگی اور مقاصد کا اشتراک ہی بنیاد بنتا ہے مثبت اتحاد کی - اور یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید نے ہمیں فراہم کر دی ہے - اس بات کو علامہ اقبال نے کس قدر عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے - ؎

از یک آئینی مسلماں زندہ است   پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
ما ہمہ خاک و دل آگاہ اوست   اعتصامش کن کہ حبل اللہ اوست!

میں نے اس بار یومِ اقبال کی تقریر میں یہ اشعار بھی سنائے تھے - بلاشبہ اس دور میں قرآن مجید کی عظمت کی سب سے بڑی علامت علامہ اقبال ہیں - اس دور میں قرآن کی طرف بلانے والی سب سے بڑی شخصیت انہی کی ہے - اس دور کی علمی و فکری سطح پر قرآن کی حکمت کو بیان کرنے والے علامہ اقبال ہی ہیں، لیکن افسوس کہ ہم محض ان کے مجاور بن کر رہ گئے ہیں - سال بہ سال بلکہ سال میں دو مرتبہ ہم ان کی برسی منا لیتے ہیں، کبھی یومِ پیدائش کی، کبھی یوم وفات کی - اصل ضرورت تو یہ ہے کہ ان کے پیغام کو لے کر کھڑے ہوں - اور وہ پیغام کیا ہے قرآن کی طرف آؤ، پلٹو قرآن کی طرف! ع "قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!" تمہارا قومی و ملی استحکام اسی سے وابستہ ہے - یہی 'حبل اللہ' ہے - یہی وہ قوت ہے جو تمہیں ایک دوسرے سے جوڑے گی اور یہی ہے جو تمہیں دنیا کے اندر دوبارہ سربلندی عطا فرمائے گی - پانچویں جماعت کے طالب علم کی حیثیت سے جب میں نے بانگِ درا پڑھی تھی تو علامہ اقبال کے دو اشعار میرے ذہن میں اٹک کر رہ گئے تھے - ایک 'شکوہ' کا شعر تھا، علامہ کی مشہور نظموں میں سے ہے ۔

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے !

بندۂ مسلم یا بندۂ مومن کی زندگی کا مقصد اس جامِ ہدایت کو گردش میں لانا ہے جو اللہ نے قرآن حکیم کی شکل میں عطا کیا ہے - اس نور سے چار دانگ عالم کو منور کرنا مسلمان کا فریضہ ہے - دوسرا شعر 'جوابِ شکوہ' کا ہے ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہی شعر تھے جو بالکل بچپن ہی میں ذہن میں اٹک گئے تھے - خدا کا شکر ہے کہ اس نے 'رجوع الی القرآن' کی اس دعوت کو آگے بڑھانے کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا - حال ہی میں رجوع الی القرآن کی اس تحریک کے منظر و پس منظر کو ہم نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے -

گزشتہ پچیس برس میں اس ضمن میں جو کام اللہ کے فضل و کرم سے ہم سے ہو سکا اس کا خلاصہ اس میں بیان کر دیا ہے - تاکہ یہ ہینڈ بک بن جائے آئندہ کے لئے!

قرآن کالج - دعوت رجوع الی القرآن کا ایک اہم سنگِ میل

اس وقت مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ میٹرک کے امتحان کا نتیجہ اب نکلنے والا ہے - ہم نے قرآن کالج بنایا - کیوں بنایا کہ کچھ نوجوان ایسے ہوں جو قرآن کے پڑھنے پڑھانے کو اپنا مشن بنالیں - بلکہ ابتداءً تو ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ والدین ایسے ہوں جو اپنی اولاد کو وقف کرنے کے لئے تیار ہوں - اور وہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ جس کی طرف سورۃ البقرہ میں ' انفاق فی سبیل اللہ ' کی بحث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تم اللہ کے نام پر مال نکالو جو بالکل ردّی ہو اور از کار رفتہ ہونے کے باعث تمہارے دل سے اتر گیا ہو - ہمارا عام دستور بھی یہی ہے کہ اُس بچے کو خدمتِ دین یا تعلیمِ دین کے لئے وقف کرتے ہیں جو اور کسی کام کا نہ ہو ' جو ذہنی صلاحیتوں کے اعتبار سے سب بچوں میں کمتر ہو - ہمارے زوال کے اسباب میں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ دین اور دینی تعلیم کو ہم نے یکسر نظر انداز کر دیا ہے - جب تک اچھے کھاتے پیتے گھرانوں کے چشم و چراغ اور با صلاحیت نوجوان اس کام میں نہیں لگیں گے حالات کے رخ میں کوئی دیرپا اور مثبت تبدیلی نہیں آئے گی - میں پچھلے ۲۵ برس سے اس شہر لاہور میں دعوتِ قرآنی کا فریضہ انجام دے رہا ہوں - اس مسجد (دارالسلام) میں خدمت انجام دیتے اب چودھواں برس ہونے کو آیا ہے - آپ سب اس پر گواہ ہیں کہ میں نے یہاں کبھی آپ سے چندے کی اپیل نہیں کی - کبھی کوئی پیسہ نہیں مانگا ' کبھی آنے جانے کا کوئی خرچ بھی طلب نہیں کیا - الحمد للہ کہ یہ سب خدمت اللہ کے لئے ہے - لیکن اب میں آپ سے ' چندہ ' مانگ رہا ہوں کہ آپ اپنی اولاد میں سے وہ بچہ اللہ کے دین اور تعلیمِ قرآن کے لئے وقف کیجئے جو بہترین صلاحیتوں کا مالک ہو - تاکہ ایسے بچوں کو ہم دین سکھائیں ' قرآن پڑھائیں ' ساتھ ساتھ ایف اے اور بی اے کی نصابی تعلیم کا اہتمام بھی کریں - انہیں فلسفہ ' معاشیات اور

سیاسیات پڑھائیں - ہمیں ایسے بچے تیار نہیں کرنے جو صرف دین کے ذریعہ روٹی کمانے والے ہوں' ہمیں ایسے دیندار اور صاحبِ فہم نوجوان تیار کرنے ہیں جو اپنے لئے کسی باوقار پروفیشن کا انتخاب کریں' خواہ وہ قانون کے شعبے کو اختیار کریں' خواہ Competition کی لائن کو اپنے لئے منتخب کریں اور خواہ Teaching Profession کا انتخاب کریں اور کسی کالج یا یونیورسٹی میں تدریسی شعبے سے منسلک ہو جائیں - میں پہلے بھی کسی موقع پر آپ کو بتا چکا ہوں کہ ہندوؤں نے ایک زمانے میں سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی (Servants of India Society) کے نام سے ایک ادارہ بنایا تھا اور اس کا اصول یہ بنایا تھا کہ ان میں صرف وہ شامل ہوں گے جو (۱) کبھی سرکاری ملازمت نہیں کریں گے - ذہن میں رکھئے وہ انگریز کا دور تھا! (۲) صرف قومی اداروں میں ملازمت کریں گے اور پروفیشن بھی صرف معلمی (Teaching) کا اختیار کریں گے - اور (۳) یہ کہ ساری عمر پچھتر روپے سے زائد تنخواہ نہیں لیں گے - یہ ہندو قوم کی عظمت کی دلیل ہے کہ سینکڑوں لوگ اس سوسائٹی سے وابستہ ہوئے اور انہوں نے تمام عمر ان اصولوں کی پابندی کی -

اسی لاہور شہر میں ایک زمانے میں دیال سنگھ کالج کے پرنسپل اور ان کی بیوی دونوں سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے ممبر تھے - غور کیجئے کہ دیال سنگھ کالج کے پرنسپل اور ان کی تنخواہ ۷۵ روپے ماہوار! ان کا ڈرائنگ روم اتنا سادہ تھا کہ اطراف میں دو چٹائیاں ہوتی تھیں اور درمیان میں منیموں والا ڈیسک - بڑے سے بڑا ملاقاتی بھی وہیں آتا اور ان کی سادگی سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا - حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے قومی تعمیر کے لئے بہت کام کیا تھا -

امریکہ میں عیسائیوں کے ایک فرقے مورمنز (Mormans) کے بارے میں بھی اس سے قبل میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ انہوں نے یہ طے کر رکھا ہے کہ ان کا جو بچہ ہائی اسکول تک تعلیم مکمل کرلے گا' واضح رہے کہ ان کا ہائی اسکول بارہ برس کا ہوتا ہے' پھر اس کے دو برس محض دین کے لئے اور دینی تعلیم کے لئے مخصوص رہیں گے - ایک سال ان کی

تعلیم ہوگی اور دوسرے سال میدان میں جاکر کام کریں گے - دو سال دین کے لئے لگانے کے بعد ان کے لئے موقع ہوگا کہ وہ اپنے کسی دنیاوی کیریر میں پیش رفت کر سکیں - لیکن آج ہم اللہ کے نام لیوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا کس حال میں ہیں؟ اور مجھے زیادہ صدمہ ہوتا ہے ان لوگوں کے حال پر جو برس ہا برس سے میرے دروسِ قرآن میں شریک ہو رہے ہیں' رجوع الی القرآن کے کام میں اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق میرے ساتھ تعاون بھی کرتے ہیں لیکن جب بچوں کو کالج میں داخل کرانے کا مرحلہ آتا ہے تو ادھر کارخ نہیں کرتے ان کے لئے گویا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کوئی وزن نہیں رکھتا کہ "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے - ہمارا حال یہ ہے کہ ہر ڈاکٹر یہ چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا بھی ڈاکٹر بنے اور انجینئر کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا انجینئر ہونا چاہئے - خدا کے لئے سوچئے' اس ملک کے لئے ضرورت ہے' دین کے لئے ضرورت ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی عاقبت کے اعتبار سے یہ انتہائی نفع بخش سودا ہے کہ آپ اپنے بچے کے لئے اس کیریر کا انتخاب کریں جسے نبی اکرمؐ نے بہترین قرار دیا ہے - کیا عجب کہ یہ بچہ آپ کی آخرت کے لئے توشہ بن جائے - اگر آپ کے بچے دین کے لئے کام کریں گے تو جب تک ان کے اس نیک کام کے اثرات دنیا میں رہیں گے' آپ کا کھاتہ اللہ کے یہاں کھلا رہے گا - اور اس میں نیکیوں کا اندراج ہوتا رہے گا - ابھی چونکہ وقت ہے کہ آپ خود کو اور بچے کو اس مبارک کام کے لئے ذہناً آمادہ کر سکتے ہیں لہٰذا آپ کو یاددہانی کرا دی ہے - یہ بات جان لیجئے کہ میرا کسی کے ساتھ اصل تعلّق چاہے قریبی رشتہ دار ہوں' دین کے حوالہ سے ہے - مجھے تو اُسی سے پیار ہے کہ جو دین کے لئے کام کرنے کو تیار ہے - میرا روئے سخن اپنے ساتھیوں کی جانب بھی ہے اور بالخصوص اپنے اعزّہ و اقارب کی جانب ہے کہ اس جانب توجّہ دیں اور اپنے بچوں کو اس کام کے لئے تیار کریں -

کشمیر کا مسئلہ۔ ایک نئی داستانِ عزیمت اور وقتِ دعا

آخری بات مجھے کشمیر کے مسئلے کے بارے میں عرض کرنی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے کشمیری بھائیوں نے ہمت دکھائی ہے' انہوں نے قربانیاں دی ہیں - انہوں نے تاریخِ حریت کا ایک نیا باب اپنے خون سے رقم کیا ہے - یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی - انشاء اللہ - میں نے یوم اقبال کی تقریر میں بھی علامہ کا یہ شعر پڑھا تھا - جب ترکوں پر مظالم ہو رہے تھے تو علامہ نے یہ شعر کہا تھا۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

آج اس شعر میں اگر 'عثمانیوں' کی جگہ 'کشمیریوں' کا لفظ لکھ دیا جائے تو بات غلط نہ ہوگی - ؎

اگر کشمیریوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کیا عجب کہ کشمیر کا گہوارہ ہی اسلام کا گہوارہ بن جائے - لیکن افسوس صرف یہ ہے کہ وہاں بھی کوئی ایک نظم (Discipline) نہیں ہے بلکہ مختلف گروپ اپنے اپنے انداز میں اس تحریک کے لئے کام کر رہے ہیں - یقیناً بعض گروپ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے صرف اسلام ہی کے لئے کام کیا ہے' جنہوں نے بے حیائی کے اڈے وہاں بند کرا دیئے اور جو کام ہم سے اب تک نہیں ہو سکا وہ انہوں نے وہاں کروا لئے - مجھ سے ایک کشمیری مسلمان نے کہا کہ آپ لوگ یہاں جو کام چالیس برس میں نہیں کر سکے وہاں چند نوجوانوں نے چند دنوں میں کروا لیا - میں اس کے جواب میں سوائے اپنی نگاہیں زمین میں گاڑنے کے اور کچھ نہ کر سکا! لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کچھ گروپ ایسے بھی ہیں کہ جو بیرونی اشاروں پر حرکت کر رہے ہیں - اور وہ ایسے کام بھی کر رہے ہیں جو اسلام کے نقطۂ نگاہ سے درست نہیں - وہاں کے وائس چانسلر کو جس طریقے سے قتل کیا گیا' میں نے اپنے ایک خطاب میں اس پر تشویش کا اظہار کیا تھا تو اس پر بعض حضرات کو شکایت ہوئی تھی - ' نوائے وقت ' کے ' سرِ

راہے' کے کالم نویس نے بھی بڑے شائستہ انداز میں گرفت کی تھی - لیکن کل کے 'نوائے وقت' میں آپ نے دیکھ لیا ہو گا انہوں نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ کسی واقفِ حال نے انہیں بتلایا ہے کہ اس قسم کی حرکتیں ایک ایسا گروپ کر رہا ہے جو کشمیر کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہیں چاہتا - وہ کچھ کمیونسٹ نظریات کے لوگ ہیں اور یہ سارے ہتھکنڈے بھی کمیونسٹ حضرات کے ہیں - کل (۲۶ر اپریل) کے نوائے وقت کا 'سرِ راہے' پڑھ لیجئے 'حقیقت آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی - اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ کشمیریوں کو ہمت دے اور انہیں یکجا ہونے کی توفیق عطا فرمائے - اللہ کرے کہ وہ سب ایک قیادت کے تحت کام کریں اور اپنی اس جدوجہد میں صرف وہی طریقے اختیار کریں جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھلائے ہیں - ہم اغیار کے نقشِ قدم کی پیروی کیوں کریں! ہمارے لئے اسوۂ کاملہ ہیں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - انہوں نے بیس برس کے اندر اندر ایک انقلابِ عظیم پیدا کر دیا تھا - اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم سیرت کا مطالعہ کریں اور اس سے اپنے نشاناتِ راہ کا تعین کریں - میری کتاب "منہج انقلابِ نبویؐ" کا مطالعہ بھی کیجئے اور پھر کچھ مثبت کام کا فیصلہ کیجئے!

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

بقیہ: 'نظام العمل'

اداروں پر بھی ہو گا ---- البتہ سماجی تنظیموں اور اداروں 'یا پیشہ ورانہ اور محکمانہ یونینوں (Trade Unions) کے ضمن میں خاص حالات میں نرمی برتی جا سکتی ہے - تاہم ان کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے بھی تنظیم کی اجازت ضروری ہو گی -

کُرۂ ارض رُوح افزا کے حصار میں!

آئینہ دارِ ثقافت : مشروبِ مشرق و مغرب

اب تک اتنی تعداد میں بن چکا ہے کہ اس کی بوتلیں کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں۔

ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے تقریباً نو سو سال قبل جہلم کے نزدیک نندنا پہاڑ پر بیٹھ کر دنیا کا قطر ناپا تھا جو ۷۰۰۰٫۹۳۳ میل تھا۔ اس پیمائش کو بعد میں جدید سائنسی تحقیق نے درست قرار دیا۔ حکیم حافظ عبدالمجید نے دہلی میں بیٹھ کر نباتات گُل و گلاب اور فواکہات کے طبّی خواص کے بموجب سنہ ۱۹۰۶ء میں رُوح افزا کا عہد ساز فارمولا مرتب کیا۔

یہ نادرِ روزگار شربت رُوح افزا اس عرصہ میں اتنی تعداد میں تیار ہو کر فروخت ہو چکا ہے کہ اس کی بوتلیں اپنی تعداد کے لحاظ سے پورے کُرۂ ارض کا احاطہ کرتی ہیں اور اب رُوح افزا مشروبِ خلائق کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔

شماریات کے مطابق صرف پاکستان میں سنہ ۱۹۴۸ء سے اب تک رُوح افزا کی اتنی بوتلیں تیار ہو چکی ہیں کہ ان سے تیار ہونے والے **دو ارب، دس کروڑ، اکانوے لاکھ، نواسی ہزار، چار سو چالیس گلاس** خلائق کی تسکین کا سامان کر چکے ہیں۔

پاکستان میں رُوح افزا کی تیاری پر اب تک استعمال ہونے والی خام اشیاء کا گوشوارہ:

- شکر
- ست لیموں

۷,۹۲,۵۲,۷۹۴ کلوگرام
سات کروڑ، بانوے لاکھ، باون ہزار، سات سو چورانوے کلوگرام

- عرقِ رُوح افزا*
- عرقِ گلاب
- عرقِ بہار
- عرقِ کیوڑا

۱,۰۶,۵۱,۴۰۷ لیٹر
ایک کروڑ، چھ لاکھ، اکاون ہزار، چار سو سات لیٹر

* عرقِ رُوح افزا میں مختلف جڑی بوٹیوں، سبزیوں اور پھلوں کے عرقیات شامل ہیں۔

رُوح افزا کے لیے سنہ ۱۹۴۸ء سے ماہرینِ نباتات کاشت کر رہے ہیں، باغبان گُل و گلاب اُگا رہے ہیں اور ہزارہا انسان فواکہات پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ لاکھوں ٹن گنّا اُگایا جا رہا ہے۔ بے شمار انسان اور لاتعداد مشینیں شب و روز مصروفِ عمل ہیں اور نگران ماہرینِ عرق سازی سے تیاری تک اعلیٰ معیار برقرار رکھنے پر توجہ دے رہے ہیں، تب جا کر رُوح افزا تیار ہو کر شائقین تک پہنچتا ہے۔ اسی عرق ریزی کی وجہ سے تمام دنیا رُوح افزا کی قدردان ہے اور یہ مشروبِ خلائق ہے۔

مشروبِ مشرق
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں بے مثال **رُوح افزا**
مشروبِ خلائق

تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

ADARTS HRA 1/90

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

علماء و صلحاء کے کرنے کا اصل کام
اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

امیر تنظیم اسلامی کے فکر انگیز خطاب کی دوسری اور آخری قسط

ترتیب و تسوید: حافظ خالد محمود خضر

اب تک میں نے دو باتیں عرض کی ہیں ـــــ ایک یہ کہ امتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کے لیے قرآن حکیم کی اصطلاحات دو ہیں: شہادت علی الناس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ اور دوسری یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اب ہم تیسری بحث کی طرف آتے ہیں کہ ان دونوں میں اہم تر 'نہی عن المنکر' ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے متعدد اضافی مقامات ایسے ہیں جہاں صرف نہی عن المنکر کا بیان ہے۔ ہمارے اصولِ فقہ میں بھی یہ اصول ہے کہ 'نہی' بہ نسبت 'امر' کے زیادہ زوردار اور مؤثر ہے۔ مثال کے طور پر دو حدیثوں کو لیجیے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت 'تحیۃ المسجد' ادا کر لے[1]۔ دوسری حدیث میں یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں ہے[2]۔ اب اگر کوئی شخص عصر کے بعد مسجد میں آئے تو وہ کیا کرے؟ ہمارے فقہاء اس مسئلے میں نہی کو امر کی نسبت مقدم سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو وہ تحیۃ المسجد ادا نہیں کرے گا۔

---

[1] اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَجْلِسَ
(متفق علیہ: عن ابی قتادۃ)

[2] لَاصَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ (متفق علیہ، عن ابی سعید الخدری)

قرآن وحدیث کی رُو سے خاص طور پر علماء اور صوفیاء کے کرنے کا اصل کام یہی نہی عن المنکر ہے اور عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ بھی یہی ہے۔ اس کے ضمن میں ہم قرآنِ حکیم کی چند آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین احادیث کا مطالعہ کریں گے۔

قرآن حکیم میں اہلِ کتاب کے جو حالات وارد ہوئے ہیں اُن کی حیثیت درحقیقت ایک آئینے کی سی ہے جو مسلمانوں کو دکھایا جا رہا ہے۔ میری تقاریر اور مضامین میں بنی اسرائیل کے بارے میں بارہا اس حدیث کا حوالہ آیا ہے کہ حضورؐ نے خبر دی تھی کہ میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے مشابہ ہوتا ہے۔ میری امت میں بھی وہ ساری خرابیاں پیدا ہوں گی جو اُن میں پیدا ہوئی تھیں۔ یہاں تک کہ اگر اُن میں کوئی بدبخت ایسا اٹھا تھا جس نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہو تو میری امت میں سے بھی کوئی نہ کوئی ایسا پیدا ہو گا جو یہ حرکتِ شنیع کرے گا[ا]۔ اسی کے حوالے سے قرآن حکیم نے بنی اسرائیل پر جو تنقید کی ہے اس کو پڑھیے۔

علماءِ یہود پر قرآن کی تنقید

سورۃ المائدہ کی آیات ۶۲۔۶۳ میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے آیا ہے:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

[ا] لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَيَكُوْنَنَّ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَصْنَعُ ذٰلِكَ۔ (رواہ الترمذی: عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

"اور تم دیکھو گے ان میں سے ایک کثیر تعداد کو کہ تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں گناہ کے کاموں میں اور ظلم و زیادتی میں اور حرام خوری میں۔ بہت بُرے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے۔ بہت ہی بُرے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔"

یعنی اگرچہ کہنے کو یہ لوگ اللہ کے نام لیوا ہیں، موسیٰؑ کے امتی ہیں، تورات کے ماننے والے ہیں، سینکڑوں نبیوں پر ایمان کے دعویدار ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں ــــ لیکن عملاً ان کا حال یہ ہے کہ بجائے نیکیوں میں پیشقدمی کرنے کے تین بُرے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (۱) الْاِثْمَ: گناہ کا کام، فرائض میں کوتاہی کا ارتکاب، حق تلفی اور لوگوں کے حقوق کو غصب کرنے اور سلب کرنے کا کام ــــ (۲) وَالْعُدْوَان: اور ظلم و زیادتی، تعدی (۳) وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ: اور ان کی حرام خوری۔ اس حرام خوری کے مختلف انداز تھے۔ سُود بھی تھا، جُوا بھی تھا۔ اور یہی دور آپ کو اپنے ہاں بھی نظر آجائے گی۔ آپ کے اس ملک میں جتنے بڑے پیمانے پر جُوا گزشتہ دنوں ہوا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ سیور ریفل کی شکل میں کروڑوں بلکہ اربوں روپے کا جوا کھیلا گیا۔ اور آپ کی وزیر اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو وزیر خزانہ سے کہنے والی ہوں کہ باقی ٹیکس وغیرہ سب کو چھوڑیں اور یہ لاٹری کا دھندا شروع کریں۔ اس میں جو رقم اکھٹی ہوتی ہے وہ ہم نے کسی اور کام میں نہیں دیکھی۔ انعامات کی امید پر جو لاکھوں افراد جُوئے کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کون لوگ تھے؟ یہ آسمان سے اُترنے والی کوئی دوسری مخلوق نہیں تھی۔ یہ کوئی ہندو نہیں تھے، یہودی نہیں تھے، بلکہ محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام لیوا تھے۔

آگے فرمایا: لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ۔ "کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور ان کے علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے"۔ ربّانی کہتے ہیں اللہ والے کو، 'رَبّ' سے ربّانی بنا ہے یعنی درویش، فقراء، صوفیاء اور صلحاء وغیرہ۔ 'احبار' جمع ہے 'حِبر' کی۔ حِبر کہتے ہیں بہت بڑے عالم کو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو 'حبر الاُمّہ' کہا جاتا ہے۔ ان کے لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دُعا فرمائی تھی کہ اَللّٰھُمَّ فَقِّہْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْل یعنی اے اللہ اسے دین کا تفقہ عطا فرما اور قرآن حکیم کے اصل مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرما۔ حضورؐ کی دعا کی برکت سے وہ امت کے سب سے بڑے عالم ہو گئے تو ظاہر بات ہے کہ جس طرح ہماری امت میں بڑے بڑے عالم اور صوفیاء ہیں، ایسے ہی بنی اسرائیل میں بڑے بڑے عالم اور فقیہہ بھی ہوتے تھے اور صوفیاء اور درویش بھی۔ تو فرمایا کہ ان کے کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ لوگوں کو گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے روکتے، لیکن فی الحقیقت وہ کیا کام کر رہے ہیں ؟ انہوں نے اپنے فرضِ منصبی کو ترک کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو بُرائی سے روکتے نہیں ——— اور روکیں بھی کیسے ؟ حرام خوری سے روکیں گے تو لوگ ان کی طرف رجوع نہیں کریں گے، کسی دوسرے کی طرف کر لیں گے۔ میں آپ کو ایک حقیقی واقعہ بتاتا ہوں کہ ایک صاحب نے خود مجھ سے کہا کہ میں آئندہ آپ کے ہاں جمعہ پڑھنے نہیں آؤں گا۔ میں نے پوچھا: کیوں کہنے لگے کہ آپ ہمیں ہر چند جمعوں کے بعد وہ سُود کی شناعت والی حدیث سنا دیتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ سُود کے بغیر تو ہمارا کاروبار چلتا نہیں۔ اب ایسی حدیثیں سننے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم لوگ وہ کام کر رہے ہیں جسے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے ساتھ بدکاری سے بھی ستر گنا بڑا گناہ بتایا ہے[1]۔ آپ ہمیں ایسی حدیثیں سناتے رہتے ہیں، چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ آپ کے ہاں نہیں آؤں گا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میرا کام تو سنانا ہے، پہنچانا ہے، سمجھانا ہے۔ سننا چاہو تو سنو! آج نہیں تو شاید اللہ تعالےٰ کل توفیق عطا فرما دیں لیکن اگر سننا نہیں چاہتے تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتا۔ اب وہ علماء جن کی مجبوری یہ ہے کہ اُن کا معاش کا معاملہ وہیں سے ہے، جن کی تنخواہیں انہی سُود خور سرمایہ داروں کی طرف سے آ رہی ہیں وہ انہیں کیسے کہیں کہ حرام خوری ترک کر دو۔ اکثر و بیشتر وہی چوہدری اور سرمایہ دار مساجد کے منتظم اور مہتمم ہیں۔ وہی تو ہیں جو یہاں بہترین قالین لا کر بچھاتے ہیں۔ اب اُن کے کاروبار میں حرام ہے تو انہیں کون

---

[1] اَلرِّبٰو سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان: عن ابی ہریرہ)

روکے! الاماشاء اللہ۔ اس معاشرے میں کچھ سعید روحیں بھی ہیں جن کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قلیل تعداد امین اور دیانتدار تاجروں اور کاروباری حضرات کی بھی یقیناً موجود ہے اور معدودے چند علماء بھی ایسے ہیں جو کسی ملامت کے خوف کے بغیر نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ جب معاشرے سے نہی عن المنکر ختم ہوجاتا ہے تو پھر تباہی و بربادی عام ہوجاتی ہے۔ آج اس مضمون کو اچھی طرح سمجھیے قرآن کہتا ہے کہ "کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام خوری سے؟" لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ: "بہت برا ہے وہ عمل جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے۔"

سورۃ المائدہ میں آگے چل کر اسی کے ہم مضمون چار آیات مزید آئی ہیں:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسٰی ابن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور (حدودِ الٰہی سے) تجاوز کرتے تھے۔ (اور ان کا اصل جرم یہ تھا کہ) وہ ایک دوسرے کو شدّت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے ان برائیوں سے جو وہ کرتے تھے۔ بہت ہی برا طرز عمل ہے جس پر وہ کاربند تھے۔ تم دیکھو گے ان میں سے بہت سوں کو کہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا سامان انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں۔

اور اگر وہ (واقعتًہ) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبیؐ پر اور اس شے پر جو اُس پر نازل کی گئی تو وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔"

یہاں اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے اور انہیں اللہ تعالےٰ کے لاڈلے اور چہیتے ہونے کا دعویٰ بھی تھا، لیکن اُن کی روش گناہ و معصیت اور حرام خوری کی تھی۔ چنانچہ ان پر انبیاء کی زبان سے لعنت فرمائی گئی۔ حضرت داؤدؑ کی زبانی ان پر کیا کیا لعنتیں ہوئیں، ان کے الفاظ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ اس وقت جو بھی 'زبور' موجود ہے جسے 'PSALMS' کہا جاتا ہے اور جو عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) کا حصہ ہے اس میں ایسی باتیں موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر حضرت داؤدؑ کی زبان سے جو تنقید کی باتیں کہلوائی تھیں، انہیں یہود نے زبور کے صفحات سے کھرچ دیا ہے۔ لیکن اللہ کا بڑا شکر ہے کہ ایسی باتیں اناجیل میں اب بھی موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے خاص طور پر علمائے یہود پر بہت تنقیدیں کی ہیں۔ انہیں سانپ کے سنپولیوں سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا: "تم سانپ کے سنپولیوں کے مانند ہو۔ تمہارا حال یہ ہے کہ تم نے اپنے اُوپر تقویٰ کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے اور اندر سے تمہارا کردار انتہائی گھناؤنا ہے"۔ علمائے یہود کو مخاطب کر کے حضرت مسیحؑ نے یہ الفاظ بھی فرمائے: "تمہارا حال اُن قبروں کے مشابہ ہے جنہیں اُوپر سے تو سفیدی کی گئی ہے اور بڑی خوشنما نظر آرہی ہیں لیکن اُن کے اندر گلی سڑی ہڈیوں کے سوا اور کچھ نہیں"۔ اور یہ بہترین ضرب المثل بھی حضرت مسیحؑ ہی کی ہے جو ہمارے ہاں عام طور پر ادب میں استعمال ہوتی ہے کہ "تم مچھر چھانتے ہو اور سموچے اونٹ نگل جاتے ہو"۔ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ سُود خوری پر کوئی نہیں رو گے گا لیکن رفع یدین، آمین بالجہر اور تراویح کی تعداد پر بڑے بڑے پوسٹر بھی چھپیں گے، بڑے چیلنج بھی ہوں گے، لمبی چوڑی بحثیں اور مناظرے بھی ہوں گے اور پوری پوری کانفرنسیں بھی ہوں گی۔ حالانکہ دین میں ان کی اہمیت بالکل جزوی اور ثانوی ہے۔ دوسری طرف سُود کا لین دین ہو رہا ہے، جوا اور سٹہ سب کچھ چل رہا ہے، لیکن کسی کو کچھ کہنے کی توفیق

نہیں۔اصل میں یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی۔آگے فرمایا: ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔"یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدودِ الٰہی سے تجاوز کی روش اختیار کی"۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت فرماتا ہے تو وہ بھی اس کے اعمال کی مناسبت سے' اور اگر اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے تو وہ بھی یونہی نہیں ہو جاتی، بلکہ لوگوں کی اپنی بدکاری اور بداعمالی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اب آگے وہ اصل مضمون آرہا ہے جس کے لیے میں یہ آیات بیان کر رہا ہوں: کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ۔ ان کا سب سے بڑا جرم' سب سے بڑی نافرمانی' اور سب سے بڑا اعتدار یہ ہے کہ جو غلط کام وہ کرتے تھے' اس پر ایک دوسرے کو شدّت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے' روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ 'تناہی' باب تفاعل سے ہے۔ اسی باب سے لفظ 'تواصی' ہے: وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ شدّت اور اشتراک باب تفاعل کا خاصّہ ہے یعنی باہم کسی کام کو انتہائی شدّ و مد کے ساتھ سرانجام دینا۔ تو 'تناہی' کے معنی ہوں گے پوری تاکید اور شدّت کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کو گناہوں سے روکنا ٹوکنا۔ قرآن یہود پر فردِ جرم عائد کر رہا ہے کہ ان کا اصل جرم جس کی بنا پر ان پر لعنت کی گئی وہ یہی تھا کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو پوری تاکید کے ساتھ روکتے نہیں تھے۔ کسی بگڑے ہوئے معاشرے کے مختلف طبقات کے اندر مختلف خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں' لیکن وہ ایک دوسرے کی برائیوں پر روک ٹوک اس لیے بند کر دیتے ہیں کہ اس طرح خود ان کی اپنی برائیوں پر بھی تنقید ہو گی۔ لٰہذا ان کے مابین گویا ایک شریفانہ معاہدہ (A GENTLEMAN AGREEMENT) ہو جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ نہ کہے۔ آج کل کے دَور میں تو بسا اوقات اس کو رواداری کا نام بھی دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کا اپنا اپنا خیال' اپنا اپنا نظریہ' اپنے اپنے معیارات اور اپنی اپنی اقدار ہیں' لٰہذا کسی کو دوسرے پر تنقید کا حق نہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس مضمون سے متعلق ہم ایک حدیث کا مطالعہ بھی کر لیں تاکہ قرآن مجید کی تفسیر حدیثِ رسولؐ کی روشنی میں سامنے آجائے۔ حدیث چونکہ طویل ہے لٰہذا اس کا ترجمہ و تفہیم ہم متن کے ساتھ ساتھ کریں گے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قال قال رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

بنی اسرائیل میں سب سے پہلے جو نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا ـــــــــ

دیکھیے کسی قوم میں جب زوال آتا ہے تو درجہ بدرجہ آتا ہے۔ کوئی آدمی زینے پر چڑھتا ہے تو ایک ایک سیڑھی کر کے چڑھتا ہے اور نیچے اُترتا ہے تب بھی درجہ بدرجہ اُترتا ہے۔ اسی طرح گراوٹ بھی ایک دم سے نہیں آتی۔ بڑے بڑے بند جب ٹوٹتے ہیں تو شروع میں چھوٹا سا سوراخ ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بڑی بڑی نہروں میں شگاف ایسے پڑتے ہیں کہ بسا اوقات کسی چوہے کے بل کے ذریعے سے پانی آتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے ایک بڑا شگاف پڑ جاتا ہے۔ تو وہ چوہے کا بل کون سا ہے جو قوموں کو برباد کرتا ہے؟ اس کا ذکر فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل میں جو اوّلین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا:

اَنَّهٗ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ

کہ ان میں سے ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کرتا تھا تو یہ کہتا تھا ـــــــــ

يَا هٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ، فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ

اے فلاں، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور جو تم کر رہے ہو اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ یہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے۔

کہ بھائی یہ کاروبار جو تم کر رہے ہو یہ سُود پر مبنی ہے، اسے چھوڑ دو۔ یہ تمہارا طرزِ معاشرت اللہ کے احکام کے مطابق نہیں ہے، اسے تبدیل کرو۔ مثلاً آج ہم کسی سے یہ کہیں گے کہ سیور رنیل کی طرح کی سکیموں میں روپیہ مت لگاؤ، یہ جوا ہے، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ جو بے پردگی اختیار کی ہے اس کو چھوڑ دو، یہ چیزیں جائز نہیں ہیں، حلال نہیں ہیں ـــــــــ یہاں تک تو بات اس نے صحیح کی، بُرائی کے اُوپر روک ٹوک کی، نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا ـــــــــ لیکن

ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِہٖ

پھر اس کی اسی شخص سے اگلے روز دوبارہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ اپنے سابق حال پر قائم ہوتا تھا ـــــــ

یعنی جس بُرائی میں وہ مبتلا تھا، اس کو اس نے ترک نہیں کیا اور اسی طرح اپنی سابقہ حالت پر قائم رہا۔ وہ حرام خوری سے باز نہیں آیا، اپنا سُودی کاروبار بند نہیں کیا، جوا کھیلنے سے توبہ نہیں کی، بلکہ حرام کاموں میں اسی طرح ملوّث رہا۔

فَلَا يَمْنَعُهُ ذٰلِكَ اَنْ يَكُوْنَ اَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَقَعِيْدَهُ

لیکن یہ چیز مانع نہیں ہوتی تھی اُس (پہلے شخص) کے راستے میں کہ وہ اس کا ہم نوالہ وہم پیالہ اور ہم نشین بنے۔

یعنی اس کے باز نہ آنے کے باوجود وہ ناصح (اسے بدی سے روکنے والا) اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا بھی تھا، پیتا بھی تھا، اس کا ہم نشین بنتا تھا، اس کے ساتھ خوش گپیاں کرتا تھا۔ اس کا مقاطعہ اور بائیکاٹ نہیں کرتا تھا۔ دیکھئے، نمازِ وتر میں آپ روزانہ دُعائے قنوت میں یہ الفاظ کہتے ہیں: وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ۔ اے اللہ جو شخص بھی تیرا فاجر ہوگا، تیرے احکام کو توڑنے والا ہوگا، ہم اس سے لاتعلقی کرلیں گے، اس سے اپنا تعلق منقطع کرلیں گے۔ لیکن عملاً ہمارا حال کیا ہے، اس پر خود غور کر لیجئے! کیا آج ہمارا طرزِ عمل بھی وہی نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے مصلحین کا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن جیسے انجام سے محفوظ رکھے۔

فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ۔

جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو آپس میں مشابہ کر دیا۔

کہ جب یہ روش عام ہوگئی اور غیرت وحمیّتِ دینی ختم ہوتی گئی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم ایک جیسا کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جب تک کہ ایسے لوگوں کا مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ نہ ہو ان کے رنگ سے آپ بھی نہیں بچ سکیں گے۔ ان کا وہ رنگ آپ پر چڑھ جائے گا اور آپ کے دِل کے اُوپر بھی وہی اثرات طاری ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حضورؐ نے سورۃ المائدہ کی یہی چار آیات تلاوت فرمائیں جو ہمارے زیرِ مطالعہ ہیں یعنی:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . . فاسقون ○

یہ گویا کہ ان چار آیات کی مستند شرح ہے جو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے سامنے بیان فرمائی کہ ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلے پہل جو نقص واقع ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں میں احساس تھا، ان کے علماء منکرات سے روکتے تھے کہ خدا کے لیے برائی سے باز آجاؤ لیکن ان کے باز نہ آنے پر ان سے قطع تعلق نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہتے تھے اور ان کے ساتھ مجلسی روابط قائم رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تو بدلے نہیں، خود یہ ناصحین اور مصلحین بدل گئے۔ ان کے اپنے دلوں کی کیفیت تبدیل ہو گئی اور ان کے اوپر بھی وہی فاسقانہ رنگ چڑھ گیا[۱]۔

ثُمَّ قَالَ:

(ان آیات کی تلاوت کے بعد) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

ہرگز نہیں، خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا۔

وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا۔

وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ

اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت کے ساتھ پکڑ لینا ہوگا۔

وَلَتَأْطِرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا

اور تمہیں اس کو لازماً حق کی طرف جبراً موڑنا ہوگا۔

۱؎ بقول علامہ اقبال ؎

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی   خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

وَلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا

اور اسے حق کے اُوپر قائم رکھنا ہوگا۔

اللہ اللہ ـــــــ، کلامِ نبوت کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ فرمائیے اور پھر یہ انتہائی تاکیدی انداز بھی ہے۔ آگے فرمایا:

اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

یا پھر اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مشابہ کر دے گا۔

یعنی اگر تم بھی وہی طرزِ عمل اختیار کرو گے اور اس ضمن میں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے دِلوں کو بھی آپس میں ایک جیسے کر دے گا۔ انہی لوگوں جیسی قلبی کیفیات، وہی بے حسی، وہی بے غیرتی تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائے گی۔

ثُمَّ لَيَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ

پھر اللہ تعالےٰ تم پر بھی لعنت فرمائے گا جیسے ان (یہود) پر لعنت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخری انجام سے بچائے جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمَذِيّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ

اس حدیث کو امام ابو داوٗدؒ اور امام ترمذیؒ دونوں نے روایت کیا ہے۔ اور (امام ترمذیؒ نے) فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

هٰذَا لَفْظُ اَبِي دَاوُدَ، وَلَفْظُ التِّرْمَذِيّ:

متذکرہ بالا الفاظ روایتِ ابوداوٗدؒ کے ہیں اور ترمذیؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں (جو آگے آرہے ہیں):

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ فِي الْمَعَاصِيْ

جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے

نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ

تو اُن کے علماء نے انہیں روکا۔ (یعنی ابتداء میں اُن کے علماء نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے)۔

فَلَمْ يَنْتَهُوْا

لیکن وہ باز نہ آئے۔

فَجَالَسُوْهُمْ فِيْ مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ

(لیکن اس کے باوجود ان علماء نے) ان کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ باہم کھانا پینا جاری رکھا۔

فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ

تو (اس کے نتیجہ میں) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا۔

وَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی۔

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ

یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے رہے۔

فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا وَقَالَ:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ گئے، جبکہ اس سے پہلے آپؐ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اور فرمایا:

لَا، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔

حَتّٰى تَأْطِرُوْهُمْ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا

(تمہاری ذمہ داری اس وقت تک ادا نہیں ہو گی) جب تک کہ تم انہیں زبردستی حق کی طرف موڑ نہ دو!

قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی رُو سے ہمارے علماء و صلحاء کا اور ان صوفیاء کا جو لوگوں کو تزکیۂ نفس کے طریقے اور تقرّب الی اللہ کے راستے بتا رہے ہیں، سب سے بڑا فرض یہی نہی عن المنکر ہے۔ ان سب پر واجب ہے کہ وہ

لوگوں کو منکرات پر ٹوکیں، انہیں منع کریں، ان پر تنقید کریں ــــــ اور اگر باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ مقاطعہ کریں، ملنا جلنا چھوڑیں، ان پر یہ سوشل پریشر ڈالیں۔ اِس وقت اگرچہ اہلِ حق علما بھی موجود ہیں، دنیا کبھی ان سے خالی نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہوگی ــــــ اس کی ضمانت دی ہے محمدؐ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا یَزَالُ فِی اُمَّتِیْ طَائِفَۃٌ قَائِمِیْنَ عَلَی الْحَقِّ (میری اُمّت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا) ــــــ لیکن اِس وقت ان کی اکثریت کا حال کیا ہے؟ جیساکہ میں نے عرض کیاکہ ان میں سے اکثر و بیشتر بیچارے ملازم ہیں۔ اِنہی لوگوں کی طرف سے آنے والی تنخواہوں پر اُن علماء و خطباء کی معیشت کا دار و مدار ہے۔ اِنہی کی طرف سے موصُول ہونے والے ہدیوں اور نذرانوں سے ان کا معیارِ زندگی بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ انہیں روکیں اور ٹوکیں تو کس طرح ہ اِلّا ماشاء اللہ!

ان سے آگے بڑھ کر میں فعّال دینی جماعتوں کے بارے میں عرض کر رہا ہوں کہ پاور پالیٹکس میں ان کے ملوّث ہونے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی ساری دوستیاں اور تعلقات اُنہی لوگوں کے ساتھ ہیں جو کُھلم کُھلا منکرات میں مبتلا ہیں۔ یہ اُنہی کے ولیموں میں شریک نظر آئیں گے اور اخبارات میں فوٹو چھپیں گے کہ فلاں حضرت بھی بیٹھے ہوتے ہیں، فلاں جماعت کے لیڈر بھی تشریف فرما ہیں، فلاں کے آدمی بھی آئے ہوتے ہیں ــــــ اور اس طرح کے ولیموں میں جو کچھ منکرات ہوتی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ ان لوگوں کا جو رویّہ ہے، جو کردار ہے اور ہماری پُوری اجتماعی زندگی کے اندر جو زہر وہ گھول رہے ہیں اس سب سے صرفِ نظر کرکے صرف وقتی سیاست کے پیشِ نظر، کسی وقت کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کی خاطر ان کے ساتھ اتحاد ہو جائے گا اور کوئی تفریق نہیں ہوگی کہ اس کا نظریہ کیا ہے، اس کا رہن سہن کیسا ہے، اس کا ذریعۂ معاش کیا ہے، اس کے ہاں پردہ ہے یا بے پردگی ہے، کوئی پروا نہیں! حدیث کے الفاظ "وَوَاکَلُوْھُمْ وَشَارَبُوْھُمْ" کے مصداق انہی کی ہم جلیسی، انہی کے ساتھ کھانا پینا، سماجی تقریبات میں ان کے ساتھ شرکت اور سیاسی اتحادوں میں ان کے ساتھ جمع ہو جانا یہ ساری روش اس مطلوب طرزِ عمل کی بالکل ضد ہے۔ اگر ہم اپنی روش تبدیل نہیں کرینگے تو پھر محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہم اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ جیساکہ

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ لازماً تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے اس نے لعنت فرمائی تھی بنی اسرائیل پر۔ اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُمتی ہو تو بنی اسرائیل کو بھی بڑا فخر تھا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں، ہم موسیٰؑ کے اُمتی ہیں، ہم تورات کے ماننے والے ہیں، نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ، کہ ہم تو اللہ کے بیٹوں کے مانند ہیں اس کے بڑے لاڈلے اور چہیتے ہیں ——— لیکن ان کا یہ چہیتا اور لاڈلا ہونے کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے عدل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: ضُرِبَتۡ عَلَیۡہِمُ الذِّلَّۃُ وَالۡمَسۡکَنَۃُ وَ بَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ۔ (ان پر مسلط کر دی گئی ذلت اور محتاجی اور وہ پھرے اللہ کا غصہ لے کر)۔

اگلی آیات میں ان کے مجلسی روابط کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ

تم دیکھو گے ان میں سے بہت سوں کو کہ دوستی اختیار کرتے ہیں انہی کی جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی۔

انہی کے ساتھ مجلسی روابط ہیں، انہی سے دوستیاں استوار ہو رہی ہیں اور محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں۔ اس دور میں ہماری دینی جماعتوں کے اتحاد اور گٹھ جوڑ اُن لوگوں کے ساتھ ہو رہے ہیں جن کا دین و مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو برملا کہہ رہے ہیں کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ گویا کہ بہت بڑا اجتماعی جرم ہے کہ کسی کے عقائد و نظریات، افعال، کردار اور شخصیت و کردار کی تمیز کیے بغیر اس سے روابط بڑھا لیے جائیں۔

لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ

بہت بُری ہے وہ کمائی جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے۔

یعنی ان کے اس طرزِ عمل کے نتیجے میں اللہ کے ہاں ان کے لیے جو کچھ جمع ہو رہا ہے بہت بُرا ہے۔ اور وہ کیا ہے؟

اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ۝

وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے کرتوتوں کی بنا پر اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ ان کے لیے قرآن مجید

میں ایک سے زائد مقامات پر" وَ بَاءُ وْ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ" کے الفاظ آتے ہیں اور یہاں انہیں 'خلود فی العذاب' کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے عذاب تو خالص کفار کے لیے ہوگا اور جو کوئی تھوڑا سا ایمان بھی رکھتا ہو اس کے لیے دائمی عذاب نہیں ہے۔ لیکن یہاں یہ سزا علمائے یہود کے لیے فرمائی جارہی ہے گویا ان کے طرزِ عمل سے درحقیقت ان کے ایمان کی نفی ہو رہی ہے۔

وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ

اور اگر وہ (واقعۃً) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس شے پر جو اس پر نازل کی گئی۔

مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاءَ

وہ انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔

جو سمجھتے ہیں کہ ہم صاحبِ ایمان ہیں، اگر وہ واقعۃً ایمان رکھتے ہوتے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستیاں گانٹھتے اور ان سے مجلسی روابط استوار کرتے۔ ایمان کے اندر تو غیرت ہوتی ہے جو کسی درجے میں بھی ایسی بات برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔

سورۃ المائدہ کے یہ دو مقامات اور ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ کی روایت کردہ یہ دو احادیث جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں، ان میں بلاشبہ ہمارے لیے ہدایت و رہنمائی کے خزانے مضمر ہیں۔ آپ انہیں خود بھی پڑھیے اور انہیں دوسروں تک بھی پہنچائیے، انہیں عام کیجیے! اور اللہ کرے کہ یہ آیات اور احادیث اُن حضرات کے کانوں تک بھی پہنچ جائیں جو دین و مذہب کے نام لیوا ہیں اور وہ ان کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کے بارے میں کچھ غور کریں۔ ان دینی جماعتوں کی حالت دیکھ کر بالخصوص شدید صدمہ ہوتا ہے جو فی الوقت پاور پالیٹکس میں دائیں یا بائیں بازو کی بڑی سیاسی جماعتوں کے ضمیمے بنی ہوئی ہیں، جبکہ انہیں معلوم بھی ہے کہ فریقین میں انیس بیس سے زیادہ کا فرق نہیں ہے۔ وہی سرمایہ دار، جاگیردار اور زمیندار اِدھر بھی ہیں اور اُدھر بھی ——— اور ان کے لچھن، ان کے طرزِ معاشرت، ان کی تہذیب اور ان کی اقدار میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مینڈکوں کی طرح پھدکتے

رہتے ہیں، یا آجکل کی اصطلاح میں ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے۔ لیکن مذہبی جماعتیں اِدھر یا اُدھر نتھی ہو کر اور اپنی طاقت ان کے پلڑوں میں ڈال کر خود اپنی منزل کھوٹی کرتی ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام تو، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، فریضۂ نہی عن المنکر کی ادائیگی ہے۔

اس سلسلے میں گزشتہ دنوں کچھ اچھی خبریں آئی تھیں اور بعض حلقوں کی طرف سے نہی عن المنکر کے ضمن میں زوردار موقف اختیار کیا گیا۔ کَثَّرَ اللّٰہُ اَمثَالَھُم (اللہ کرے کہ ان کی مثالیں اور بڑھیں!) اور مجھے اس پر خوشی ہے کہ کم از کم جماعت اسلامی نے تو اس سلسلے میں ڈٹ کر موقف اختیار کیا۔ اس اقدام کی جو برکتیں ظاہر ہو رہی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ بھارتی طائفے کی آمد رک گئی ہے اور سالِ نو کے جشن کے عنوان سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں طوفانِ بدتمیزی کے جو مظاہرے ہوا کرتے تھے، وہ اب لوگوں کی اپنی کوٹھیوں کے اندر محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اس موقع پر بعض ایسی تنظیموں کی طرف سے بھی جماعت کا ساتھ دینے کا اعلان آ گیا تھا جن کے نہ صرف افکار و نظریات ان سے مختلف ہیں، بلکہ اُس وقت ان کے مابین شدید کشیدگی بھی تھی۔ چنانچہ اس سے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ یہی راستہ دینی جماعتوں کو مجتمع کرنے کا راستہ ہے!!

بعض حضرات تبلیغی جماعت سے بڑی مایوسی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو سیاست کی بات بھی کرنے کو تیار نہیں، اور مسلمانوں پر اگر کہیں کوئی ظلم ہوتا ہے تو اس پر بھی کوئی آواز اُٹھانے کے روادار نہیں۔ یہ بات اگرچہ بنیادی طور پر غلط نہیں ہے، انہوں نے بطور پالیسی یہ روش اختیار کی ہے اور وہ نہی عن المنکر سے صرفِ نظر کر کے صرف امر بالمعروف کا کام کیے جا رہے ہیں —— اور میں ابھی قرآن حکیم کے نو مقامات کے حوالے سے ان کی اس غلطی کو واضح بھی کر چکا ہوں —— لیکن جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی رائیگاں جانے والا نہیں ہے۔ یہ خیر و شر اور حلال و حرام کا شعور تو پیدا کر رہے ہیں۔ مجھے یقین حاصل ہے کہ اس معاشرے میں اگر کوئی ایسی قوت پیدا ہو جائے جو نہی عن المنکر کو طاقت کے ساتھ کرنے کے لیے میدان میں آئے، تو تبلیغی جماعت کے ساتھ عوام کی جو طاقت ہے، ان کی بہت بڑی تعداد اس کام میں شریک ہو جائے گی۔ تحریک نظامِ مصطفٰےؐ میں بھی تو تبلیغی جماعت سے وابستہ بہت سے نوجوان میدان میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اور میں آپ کو اسی تحریک کا وہ واقعہ یاد دلاتا ہوں جب لاہور کے نیلا گنبد چوک میں تبلیغی جماعت کا ایک نوجوان بار بار کی وارننگ کے باوجود سینہ تانے آگے بڑھتا رہا اور بالآخر سینے میں گولی کھا کر جامِ شہادت نوش کر گیا۔ ان واقعات میں انسان کے لیے عبرت کا وافر سامان پوشیدہ ہوتا ہے۔

اس ملک میں ۱۹۸۲ء میں میرے حوالے سے بعض مغرب زدہ خواتین نے جو ہنگامہ کھڑا کیا تھا، مجھے اُسی وقت اس حقیقت کا تجربہ ہو گیا تھا کہ اگر واقعۃً کوئی جماعت نہی عن المنکر کا کام کرنے کے لیے کھڑی ہو جائے تو تمام مذہبی مکاتبِ فکر ساتھ دیں گے۔ اس لیے کہ ہمارا معاشرہ اگرچہ عملی طور پر انحطاط کا شکار ہے لیکن ہماری چودہ سو برس کی تاریخ نے ہمارا اجتماعی ذہن بنایا ہے اس کے تحت الشعور میں معروف اور منکر کے صحیح تصورات موجود ہیں۔ چنانچہ اُس موقع پر تمام مکاتبِ فکر کی مساجد سے میری تائید ہوئی، جماعتِ اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد صاحب نے میرے حق میں حیدر آباد سندھ میں تقریر کی، اور کراچی میں جماعت اسلامی کے حلقہ خواتین کی طرف سے مغرب زدہ خواتین کے جلوس کے جواب میں باپردہ خواتین کا کئی گنا بڑا جلوس نکالا گیا تو اُس وقت یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی تھی کہ ؎ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی! لیکن اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے ایک جماعت ایسی ہو جو منکرات کے خلاف میدانِ عمل میں آنے والوں کو کنٹرول میں رکھ سکے۔ یہ نہ ہو کہ کہیں ؎ "دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد" کی صورت پیدا ہو جائے! جب تک یہ شکل نہ ہو جائے اس وقت تک میدان میں آنے کے مثبت نتائج نہیں نکل سکتے، بلکہ اس سے جو سیاسی بے چینی پیدا ہو گی اس سے کچھ اور لوگ فائدہ اٹھا لے جائیں گے، جو ملحد و بے دین بھی ہو سکتے ہیں اور ملک و قوم کے دشمن بھی!!

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت کے ضمن میں مزید دو احادیث کا مطالعہ کر لیجیے۔ میرے خطابات میں ان احادیث کا ذکر بار بار آیا ہے۔ "مسلمانوں کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل" میں بھی ان کا تذکرہ ہے لیکن وہاں متن موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم متن کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا

جو کوئی بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے

فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ

تو وہ اپنے ہاتھ سے اسے بدلے!

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ

اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس برائی کو روکے!)

اس کو ذرا اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ نہی عن المنکر کے جن دو درجوں کا بیان یہاں ہوا ہے اُن میں سے پہلا درجہ ہے 'نہی عن المنکر بالید' کا ——— یعنی کوئی برائی نظر آئے تو "زورِ دست و ضربِ کاری" سے اس کا قلع قمع کر دیا جائے لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس برائی سے نمٹنے کے لیے مؤثر قوت موجود ہو۔ بصورتِ دیگر بندۂ مومن کا فرض ہے کہ وہ اس قوت کے حصول کے لیے کوشاں ہو ——— اور اس کے ساتھ ہی 'نہی عن المنکر باللسان' کا فریضہ ادا کرے یعنی زبان سے لوگوں کو روکا جائے کہ خدا کے لیے اس سے باز آجاؤ، اسے چھوڑ دو۔ زبانی مدافعت میں قلم بھی داخل ہے۔ اس مقصد کے لیے کتابیں اور رسالے شائع کیے جائیں۔ نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع بھی بروئے کار لائے جائیں۔ آج نہی عن المنکر باللسان کا ایک بہت بڑا ذریعہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس ہیں۔ آپ گفتگو اور تقاریر کو اس ذریعے سے عام کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی مقرر کی کوئی تقریر دُور دُور تک پہنچ سکتی ہے آج میں یہاں جو تقریر کر رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ کل ہمارے کوئی دوست اس کا کیسٹ لے کر امریکہ یا آسٹریلیا پہنچ جائیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہو گا اور یہ کیسٹ وہاں پھیل رہا ہو گا۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس وقت میرے دروس و خطابات کے کیسٹ لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا میں گردش میں ہیں۔ میں نے حال ہی میں 'حکمتِ قرآن' کا جنوری فروری ۹۰ء کا جو مشترکہ شمارہ شائع کیا ہے، اس میں دعوت رجوع الی القرآن کی ایک پوری تاریخ بیان کر دی ہے[1]۔ میں اس کے بارے میں بھی خاص طور پر عرض کروں گا کہ جس شخص کو بھی ہمارے اس کام سے

---

[1] (حاشیہ اگلے صفحے پر)

کوئی علمی دلچسپی ہے وہ اس شمارے کو ضرور پڑھے اور اس کے مندرجات پر سنجیدگی سے غور کرے! اس میں پُوری تاریخ بیان کی گئی ہے کہ امت کا تعلق قرآن سے کیوں کمزور پڑا۔ پھر یہ کہ قرآن کی طرف رجوع کا دوبارہ آغاز کب ہوا۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے۔ اس کے بعد اب تفسیرِ قرآن کے جو سلسلے چل رہے ہیں وہ کون کون سے ہیں ــــــ اور اس راستے میں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی خدمات کیا ہیں۔ یہ ساری داستان آپ کو اس ایک پرچے میں مل جائے گی۔ اور اس وقت میرا ذہن اس کی طرف اس لیے منتقل ہوا کہ مَیں نے اس میں لکھا ہے کہ میں مطمئن ہوں کہ میں نے اپنی عمر اور اپنی صلاحیتیں اس کام میں لگائی ہیں۔ مجھے یہ کام کرتے ہوئے پُورے پچیس برس ہو گئے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں مَیں اس شہر کراچی سے منتقل ہو کر اپنے اس کام کو شروع کرنے کے لیے لاہور گیا تھا۔ اب ۱۹۹۰ء آ گیا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میری عمر کی ربع صدی بیت چکی ہے کہ قرآن حکیم کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا ہی میرا اصل مشغلہ رہا ہے۔ ان میں سے چھ سال (۶۵ء تا ۷۱ء) ایسے ہیں کہ ساتھ مطب بھی چل رہا تھا۔ فروری ۷۱ء میں مَیں نے حرم شریف میں بیٹھ کر یہ طے کیا کہ اب ہمہ وقت یہی کام کروں گا۔ چنانچہ میں نے مطب بند کیا، پریکٹس چھوڑی اور اُس وقت کے بعد سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا کوئی لمحہ بھی فکرِ معاش میں بسر نہیں ہوا۔ مَیں نے اپنی ساری توانائیاں اور قوتیں اسی کام میں لگائی ہیں۔ اور آج مجھے بڑا اطمینان ہے کہ میرے یہ دروسِ قرآن دنیا کے کونے کونے میں سُنے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے اپنے تین بچوں سمیت پچیس تیس اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اب اسی انداز میں درس دے رہے ہیں۔ میرا یہ کام الحمد للہ جاری رہے گا اور یہ بات بڑھتی رہے گی، پھیلتی رہے گی، لوگوں تک پہنچتی رہے گی۔ اور ہمیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ کہاں کہاں تک یہ باتیں پہنچ رہی ہیں۔

میں نے اس پرچے میں لکھا ہے کہ میں اکتوبر ۸۹ء کے اواخر میں جب حیدر آباد دکن گیا،

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لہ 'حکمت قرآن' کے مذکورہ شمارے کے مندرجات محترم ڈاکٹر صاحب کی تازہ تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ (مرتب)

وہاں ایک روز میری تقریر ہوئی جس کے کیسٹ رات بھر تیار کیے گئے۔ اگلے روز جب میری تقریر ہوئی تو سات سو کیسٹ تیار ہو سکے تھے، جو سب کے سب فروخت ہو گئے۔ اور یہ کیسٹ وہ شے ہے جو تین منٹ میں کاپی ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم اس سے آگے کتنی جگہ پر بات پہنچ رہی ہو گی۔ اور گزشتہ رات ہمارے ایک ساتھی نے بتایا کہ وہاں میں نے سیرت النبیؐ کے جلسے میں جو تقریر کی تھی، جس میں ڈیڑھ پونے دو لاکھ سامعین تھے، قریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اس تقریر میں سے پندرہ منٹ کی تقریر دُور درشن (ٹیلی ویژن) کے نیٹ ورک پر پورے انڈیا میں دکھائی گئی۔ تو یہ بات تو ان شاء اللہ پھیلتی رہے گی۔ میں اگرچہ بڑھاپے میں قدم رکھ چکا ہوں اور اکثر علیل رہتا ہوں، لیکن بہرحال جب تک جان میں جان ہے اور جب تک بھی یہ اعضاء و جوارح ساتھ دے رہے ہیں یہی کام کرنا ہے، اللہ کے اس پیغام کو پہنچانا ہے۔ نہی عن المنکر باللسان کا یہ کام کرتے رہنا ہے۔ ہم غلط کو غلط کہیں گے، حرام کو حرام کہیں گے، خواہ کسی کو کتنا ہی ناگوار گزرے! کسی کو نہیں سننا ہے، نہ سنے! مجمع چھوڑ کر جاتا ہے، چلا جائے! الحمد للہ اس معاملے میں مجھے تعداد کی کوئی فکر نہیں ہوتی، لیکن بات وہی کہنی ہے جو صحیح ہو۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ آج تک یہ سوال کبھی میرے سامنے نہیں آیا کہ میری بات سے کون راضی ہے، کون ناراض!! البتہ میں نے ہر بات کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچا ہے کہ آیا میرا اللہ اس پر راضی ہو گا یا ناراض۔ یا یہ سوچا ہے کہ میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ اس کے سوا تیسری بات کبھی سامنے نہیں آئی۔

جہاں تک "نہی عن المنکر بالید" کا تعلق ہے تو اس بارے میں جو بات میں نے ہمیشہ کہی ہے وہی اب کہہ رہا ہوں کہ اس کے لیے ایک منظم جمعیت درکار ہے۔ جب ایسے COMMITTED اور DEDICATED لوگوں کی ایک معتدبہ تعداد جمع ہو جائے جو اس سہ نکاتی لائحہ عمل پر عمل کر چکے ہوں، جو پہلے خود اپنی زندگی کے اندر حلال و حرام کی پابندی کر رہے ہوں، خود دین پر کاربند ہوں، پھر وہ سمع و طاعت کا نظم اختیار کر کے ایک مضبوط جمعیت فراہم کریں اور ایک بنیانِ مرصوص بن جائیں، تب چیلنج کا مرحلہ آئے گا اور طاقت کے بل پر یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ اب ہم یہ منکرات نہیں ہونے دیں گے۔ ہم حدود اللہ کے محافظ بن کر کھڑے ہو جائیں گے کہ پہلے ہماری

جان جائے گی، اُس کے بعد اللہ کی کوئی حد پامال ہو سکے گی۔ ہمارے جیتے جی یہ غیر شرعی کام نہیں ہو سکے گا! ہمارا مأٹو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وہی الفاظ ہوں گے ، اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ۔ "کیا دین میں تبدیلی کر دی جائے گی جبکہ میں زندہ ہوں"! اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام تک پہنچائے۔ لیکن اس کے لیے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں طاقت فراہم کرنا ہو گی جس طرح محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے فراہم کی۔ جب طاقت فراہم ہو گئی تب آپؐ نے تلوار سے جہاد کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمدؐ رسول اللہ تیرہ برس تک اُسی بیت اللہ کا طواف کرتے رہے اور وہیں نماز پڑھتے رہے جہاں دائیں بائیں ہر طرف بُت رکھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے اُس وقت کسی بُت کو نہیں توڑا۔ پہلے طاقت فراہم کی۔ دعوت، تربیت اور تنظیم کے مرحلے طے کیے، اللہ کے ایسے فدائی اور شیدائی جمع کیے جو "اِنَّ اللہ اشتریٰ . . . الخ" کی عملی تصویر بن گئے۔ پھر آپؐ کا مشرکین سے براہِ راست مسلح تصادم ہوا، بدر و اُحد کے معرکے ہوئے اور جب آپؐ فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ نے ایک لمحے کے لیے بھی ان بتوں کا وجود گوارا نہیں کیا۔ چنانچہ آپ "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" کے الفاظ فرما رہے تھے اور ایک ایک بُت کو توڑتے جاتے تھے۔ یہ ہے نبوی طریقِ انقلاب! یہاں میں نے دو جملوں میں بات کر دی ہے، اگر تفصیل پڑھنی ہے تو اس کے لیے "منہجِ انقلابِ نبویؐ" کے عنوان سے کتاب موجود ہے۔

اب آیئے نہی عن المنکر کے تیسرے درجے کی طرف۔ اس حدیث میں آگے یہ الفاظ ہیں:

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ

اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو پھر اپنے دِل سے!

یعنی اگر زبانوں پر بھی پہرے بٹھا دیئے گئے ہوں تو بُرائی کو دیکھ کر دل کے اندر ایک صدمہ اور ایک رنج اور دکھ اور کرب کا احساس تو ہو، فرمایا:

وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ

اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

اگر منکرات کو دیکھ کر کسی کی جبیں پر بل بھی نہ پڑے' اس کے چہرے کا رنگ بھی متغیر نہ ہو اور وہ اندر سے تلملا نہ اُٹھے تو اس کا مطلب یہ ہے اس کی غیرتِ ایمانی دم توڑ چکی ہے اور وہ ایمان کی پونجی سے یکسر محروم ہو گیا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلك!

یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔ دوسری حدیث بھی مسلم شریف ہی کی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، یہ بڑی اہم حدیث ہے اور میں اس کے حوالے سے آج ایک بڑا اہم مسئلہ بیان کروں گا جو اس سے قبل میں نے کبھی وضاحت سے عرض نہیں کیا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلّی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِیْ اُمَّۃٍ قَبْلِیْ

کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہیں اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امّت میں مبعوث کیا ہو۔

اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ

مگر یہ کہ اس کے لیے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو اس کے) حواری اور اصحابؓ ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے ساتھیوں کے لیے قرآن حکیم میں 'حَوَارِیُّوْن' کا لفظ آیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے لفظ 'صحابہؓ' استعمال ہوتا ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دونوں لفظ جمع فرما دیئے۔ اب نوٹ کیجئے کہ انبیاء کے حواری اور اصحاب کرتے کیا تھے:

یَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ

وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے

یہ حواری اور اصحاب اپنے نبیؑ کی اقتدا کرتے تھے' پیروی کرتے تھے۔ جیسے نماز میں ایک امام ہوتا ہے اور اس کے پیچھے مقتدی اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ

پھر (ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ) ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے ــــــ

جیسے ہم ہیں، جیسے آج کی امتِ مسلمہ ہے۔ یہ ناخلف لوگ کیا کرتے تھے؟ یہاں بھی حضورؐ نے دو ہی باتیں بیان فرمائیں:

يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَ يَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ

کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے ــــ اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

مثلاً بدعات، نئی نئی رسومات اور نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی جاتی رہی ہیں، جن کا اللہ کی کتاب میں کوئی حکم ہے، نہ اس کے رسولؐ کی سُنّت اور صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل میں ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے وفاداری کے زبانی دعوے جو ہیں وہ بہت بلند بانگ ہیں۔ اس طرزِ عمل کے بارے میں سورۃ الصف میں فرمایا گیا: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ "اے مسلمانو، کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟" لیکن کہنے میں کیا جاتا ہے! حضورؐ کے عشق کے دعوے کیجئے، عشقِ رسولؐ کے اظہار کے لیے بڑی لمبی چوڑی نعتیں پڑھ لیجئے ــــ کیا گیا؟ کچھ بھی نہیں! محض زبان ہلا دینا تو بہت آسان ہے ــــ چنانچہ اُن لوگوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آگے آپؐ نے فرمایا:

فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

توجو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے تو وہ مومن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے وہ مومن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے وہ بھی مومن ہے۔

وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ

اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!

گویا کہ احساس ہی نہیں رہا، منکرات پھیل رہے ہیں، بے حیائی عام ہو رہی ہے، بدعات پھیل رہی ہیں

رسُومات کے طومار پر طومار ہیں۔ اور جو کچھ آجکل شادیوں میں ہو رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے یہ سب ہو رہا ہے اور ہمارے احساسات کے اوُپر جُوں تک نہیں رینگ رہی۔ معلوم ہوا کہ ہم "وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ" کے زمرے میں آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور ہمیں اپنے ایمان کی تجدید کی توفیق عطا فرمائے۔

اب یہاں اس حدیث کی رُو سے جو ایک اہم مسئلہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بدقسمتی سے عام طور پر سُنّی مسلمانوں میں ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ اصحابِ اقتدار خواہ کتنے ہی فاسق و فاجر اور ظالم و جابر ہوں، اُن کے طور طریقے خواہ کیسے ہی ہوں، اُن کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دیں۔ اصل میں بعض احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جب تک کفرِ بواح کا حکم نہ دیا جائے بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اُن احادیث کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا اور عام طور پر اہلِ سنّت میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ شاید خروج کسی شکل میں جائز نہیں! اور میں اسی کا نتیجہ اس وقت کی سُنّی دنیا میں دیکھ رہا ہوں کہ بدترین جبر و استبداد کے باوجود کہیں بیداری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ میرے لیے آجکل یہ مسئلہ بڑے گہرے غور و فکر کا موجب ہو گیا ہے کہ اگرچہ دنیا میں سنّیوں کے مقابلے میں شیعہ تعداد کے اعتبار سے ۱۰۰/۱ بھی نہیں ہیں، لیکن اس صدی میں اگر کہیں انقلاب برپا کیا تو شیعوں نے کیا ــــــ ایک بڑی مستحکم بادشاہت کا تختہ اُلٹا اور اپنی فقہ کے مطابق ایک نظام قائم کر لیا۔ جبکہ دوسری طرف موریطانیہ سے لے کر انڈونیشیا تک پوُری سُنّی دنیا میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور الاخوان المسلمون جیسی عظیم تحریکوں کی موجودگی کے باوجود کہیں بھی انقلاب کے کوئی آثار ابھی دوُر دوُر تک دکھائی نہیں دیتے۔ آخر اس کا کوئی سبب تو ہے! غور طلب مسئلہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سُنّی مسلمان سُن ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ یہ بڑا حسّاس مسئلہ (SENSITIVE ISSUE) ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میں نے آج تک اس پر کبھی گفتگو نہیں کی ہے۔ لیکن کچھ دنوں سے میں شدّت کے ساتھ سوچ رہا ہوں کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ لازمی طور پر فکر اور نظریے کے اندر کہیں کوئی خامی موجود ہے! مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ معاشی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، سیاسی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کو جمع ہو جائیں

گئے سینکڑوں لوگ جانیں بھی دے دیں گے لیکن استحصالی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے کوئی منظم کوشش کہیں نظر نہیں آتی۔ ایسی منظم کوشش اسی دَور میں ایرانیوں نے کر کے دکھادی ہے جیسا کچھ بھی اُن کا دین ہے، جو بھی اُن کی فقہ ہے اور جو بھی اُن کے تصوّرات ہیں اُن سے ہمیں لاکھ اختلاف سہی، لیکن انہوں نے اسے نافذ تو کر کے دکھا دیا ہے۔ اور ہم نے کیا کیا؟ ہمارے ہاں بادشاہتیں چل رہی ہیں، ان بادشاہوں کے لیے ایک ایک محل کی تعمیر پر اربوں ڈالر صَرف ہوتے ہیں، جہاں بادشاہ سلامت کو سال بھر میں زیادہ سے زیادہ چار چھ دن قیام کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ آپ اُسی ملک کے اندر جاکر دیکھیے کہ انسان بالکل حیوانوں کی طرح رہتے ہوئے بھی نظر آئیں گے۔ تو یہ نظام ہمارے ہاں کیوں نہیں بدل رہا؟

ان دنوں خاص طور سے مجھ پر یہ سوچ جو بہت زیادہ طاری ہے تو اس کی وجہ بھی میں بیان کیے دیتا ہوں۔ گزشتہ دنوں جب جہادِ افغانستان بڑی شدت کے ساتھ جاری تھا اور روسی افواج ابھی افغانستان سے نہیں نکلی تھیں اُس وقت ایک بات متواتر سننے میں آرہی تھی کہ روسی ترکستان کی ریاستوں سمرقند و بخارا وغیرہ میں جہادِ افغانستان کے اثرات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں، ان میں دینی جذبات زندہ ہو رہے ہیں —— اور ان شاء اللہ روس کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور افغانستان میں اس کی مداخلت کے نتیجے میں ان تمام ریاستوں میں بغاوت ہو جائے گی لیکن میں حیران ہوں کہ بغاوت ہوئی تو سب سے پہلے یورپی علاقوں میں ہوئی۔ روس کی گرفت ذرا کمزور پڑی تو یورپ میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا ملک روسی استبداد کی زنجیریں توڑتا نظر آیا۔ پھر یہ کہ روس کی اپنی ریاستوں مثلاً بالٹک سٹیٹس، لیتھوانیا —— وغیرہ کے اندر بغاوت ہوگئی۔ گورباچوف نے جاکر معافیاں مانگی ہیں، خوشامدیں کی ہیں کہ ہم روسی دستور میں "طلاق کا حق" رکھ دیتے ہیں، خدا کے لیے اس وقت علیحدہ نہ ہوں، آئندہ کے کسی مرحلے کے لیے ہم باقاعدہ دستوری راستہ کھول دیں گے۔ لیکن انہوں نے اس کی ایک نہیں مانی! اس کے بعد اگر کوئی بغاوت کی خبر سننے کو ملی تو آذر بائیجان سے جہاں شیعہ مسلمان آباد ہیں۔ یہ سُنّی ریاستیں ساری سُن پڑی ہوئی ہیں اور ابھی تک ان میں کہیں سے بیداری کی کوئی لہر نہیں اُٹھی اور دَورِ حاضر کا اتنا عظیم جہاد، جہادِ افغانستان بھی اُن کے تنِ مُردہ

میں جان نہ ڈال سکا، جس نے ع "جی اُٹھے مُردے تری آواز سے" کے مصداق کشمیریوں تک کو زندہ کر دیا، جن کے بارے میں "تیسی تے ٹھس کرسی" کا لطیفہ مشہور ہے!

میرے اپنے غور و فکر کی حد تک اس کی وجہ یہی ہے کہ سُنّی اسلام میں کچھ علمائے نے اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ حاکموں کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی۔ حاکم چاہے کیسا بھی ہو جب تک وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دے، آپ اس کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے محل میں شراب نوشی کرتا ہو، بدمعاشی کرتا ہو، کرتا رہے۔ لیکن بغاوت صرف اس وقت ہو سکتی ہے جب وہ آپ کو کفر کا حکم دے۔ اس خیال نے سُنّی تصورات کے اندر ایک طرح کا انفعالی (PASSIVE) انداز پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ جو چیلنج کرنے والا ACTIVE انداز ہے، وہ آج ہمیں پوری سُنّی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حالاں کہ حکمرانوں کے طرزِ عمل پر گرفت کرنے کے سلسلے میں اس صحیح حدیث کے الفاظ کس قدر واضح اور دو ٹوک ہیں۔ لیکن حدیث کے ضمن میں اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ ایک حدیث پر توجہ کو مرتکز کر دیا جاتا ہے اور دوسری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، پورے ذخیرۂ احادیث پر متوازن انداز میں نظر نہیں رکھی جاتی۔ غور کیجیے کہ احادیث میں جہاں وہ حدیث موجود ہے کہ جب تک اربابِ اقتدار کفرِ بواح کا حکم نہ دیں، آپ ان کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے، وہاں ایسی احادیث بھی تو موجود ہیں کہ جب ایسے لوگ برسرِ اقتدار ہوں جن کی روش یہ ہو کہ "یقولون مالا یفعلون و یفعلون مالا یؤمرون"[1] تو ان کے خلاف بندۂ مومن کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن! اگر بغاوت نہیں ہو سکتی تو یہ جہاد

---

[1] حضرت ابن مسعودؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں: سیکون امراء بعدی یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون (مسند احمد، حدیث ۴۳۶۳) ترجمہ: "عنقریب میرے بعد ایسے امراء (حکام) آئیں گے جو کہیں گے وہ بات جس پر عمل نہیں کریں گے اور کریں گے وہ کچھ جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا۔"

بالیدکس شے کا نام ہے؟ اگر ان کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو یہ الفاظ حضورؐ نے کیوں استعمال کیے؟ فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن، ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن، ولیس وراء ذلک من الایمان حبّۃ خردل۔

ہمارے ہاں اس فکر کو دراصل عام طور پر اہلحدیث علماء نے عام کیا ہے، ورنہ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہوسکتی ہے۔ علماءِ حدیث اور فقہا میں یہی تو فرق ہے کہ عالم حدیث کی زیادہ تو توجہ حدیث کے الفاظ پر ہوتی ہے، جبکہ فقیہہ حدیث کے مفہوم کو مرکزِ توجہ بناتا ہے، وہ احادیث کو جمع کرتا ہے، ان کا تقابل کرتا ہے اور پھر کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو پہلے سمجھانے کی کوشش کیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبانی طور پر کیجئے۔ اگر اس کا اثر نہ ہو تو پھر تلوار کے ذریعے سے انہیں سیدھا کیجئے۔ چنانچہ فقہ حنفی کے اندر اس بات کی اجازت موجود ہے۔ البتہ امام صاحبؒ نے اس کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ طاقت اتنی فراہم ہو جانی چاہیے کہ کامیابی یقینی ہو جائے، یا کم از کم اس کا ۵۱ فیصد امکان ہو۔ یہ نہیں کہ چند آدمی کھڑے ہو کر نعرہ لگائیں اور پھانسی چڑھ جائیں۔ اور بات ختم ہو جائے۔ بلکہ پہلے دعوت تنظیم اور تربیت کے ذریعے آپ ایسی منظم قوت فراہم کر لیں، پھر آپ انتہائی قدم بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے دین میں بغاوت حرام نہیں ہے۔ اس معاملے میں میری رائے میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف کتاب و سنّت سے اقرب ہے۔

اس دَور میں جیسا کہ اس سے پہلے بھی تفصیلاً عرض کیا جاچکا ہے، بغاوت کا ایک بدل ALTERNATIVE سامنے آیا ہے اور اب طاقت کا استعمال مسلح تصادم کے بغیر بھی ممکن ہے۔ وہ یہ کہ میدان میں نکل کر اس طرح کے بھرپور مظاہرے اور PICKETING کرنا کہ حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑ جائیں! آپ کو یاد ہوگا کہ ضیاء الحق صاحب کے مارشل لاء کو ابھی صرف تین برس بھی نہیں ہوتے تھے، جب اہلِ تشیّع نے سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور اس جاندار مارشل لاء کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے ناک رگڑوالی تھی۔ اسے ان کے تمام مطالبات ماننے پڑے تھے اور ایرانی شیعوں نے تو اس دَور کی سب سے بڑی مثال قائم کر کے دکھا دی۔ انہوں نے

منظم مظاہرے کیے، لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آئے اور ہزاروں کی تعداد میں جانیں قربان کر دیں۔ خاص طور پر اُس روز جس دن شاہ نے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا، کئی ہزار ایرانیوں کے لاشے میدان میں پڑے تڑپ رہے تھے ـــــ اور شہنشاہِ ایران کو اپنی لاکھوں کی فوج اور حلیفوں کی حمایت کے باوجود اس طرح راہِ فرار اختیار کرنا پڑی کہ ع

دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کوئے یار میں!

نہی عن المنکر میں اوّلین ہدف ـــــ فتنۃُ النّساء

ہم اپنے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات کا جائزہ لیں تو ان میں ایک بہت بڑا منکر آزادئ نسواں کا فتنہ ہے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ (متفق علیہ)

"مَیں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ نقصان دہ فتنہ اور کوئی نہیں چھوڑا۔"

ہمارے معاشرے میں اس "فتنۃ النساء" نے درحقیقت بہت سی گندگی پھیلائی ہے۔ عورتوں کا نشوز، ان کا تبرّج، ان کا بن سنور کر نکلنا اور اخبارات کا ایسی حیا باختہ عورتوں کی تصویروں کو گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اُٹھا لینا واقعتاً اس وقت ہمارے معاشرے کا ایک بہت تباہ کُن فتنہ ہے اور یہ ایسا بڑا منکر ہے جس کے خلاف اقدام کی ضرورت ہے۔ نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ ہمیں یقیناً ایک تدریج سے چلنا ہو گا اور اس تدریج میں سب سے مقدّم اس فتنۃ النساء کی سرکوبی ہے، اس لیے کہ معاشرے کے اندر سب سے زیادہ اثر اسی کا پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں دوسرے منکرات بھی موجود ہیں اور ہمیں ان سب سے نبرد آزما ہونا ہے۔ مثال کے طور پر سُود ایک بہت بڑا منکر ہے، زمینداریاں، جاگیرداریاں اور تقسیمِ دولت کا غلط نظام یہ سب ایسے منکرات ہیں جن کی بیخ کنی کرنا ہے لیکن چونکہ ہمارے دین میں سب سے زیادہ تفصیلاً

عائلی قوانین اور نظامِ معاشرت کے بارے میں ہیں اور یہ معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے' لہٰذا اوّلین ترجیح اسی کو حاصل ہو گی۔ اور اسلام کا عائلی اور معاشرتی نظام ہی وہ چیز ہے جسے ہمارے عوام سب سے زیادہ جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں۔ لہٰذا منکرات کے خلاف ہماری تحریکِ مزاحمت (RESISTANCE MOVEMENT) جب بھی اُٹھے گی اس کا آغاز اسی سے ہو گا!

پچھلے دنوں ہمارے ہاں اس فتنۃ النساء کے بعض ایسے مظاہر سامنے آئے ہیں جو ایک عجیب تضاد کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک طرف تو عورتوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں برابری کے حقوق دیئے جائیں مثلاً میڈیکل کالجوں میں داخلہ اوپن میرٹ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اگر لڑکی کے نمبر زیادہ ہیں تو اس کا حق ہے کہ اس کو داخلہ ملے۔ یورپ کی نقالی میں مساواتِ مرد وزن کا مطالبہ کرنے والی خواتین کو اس مساوات کا نمونہ یورپ میں جا کر دیکھنا چاہیے کہ کوئی بوڑھی نحیف عورت بس میں کھڑی ہو گی اور کوئی جوان آدمی بھی اس کے لیے اپنی سیٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہو گا۔ وہاں کی عورت برابر کے حقوقِ شہریت رکھتی ہے اور اس کو اُس معاشرے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ملتی۔ لیکن ہمارے ہاں مساواتِ مرد وزن کے نعرے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف حال یہ ہے کہ اسمبلی میں خواتین کی نشستیں مخصوص کی جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر برابری کا معاملہ ہے تو یہ کیوں میدان میں آ کر الیکشن نہیں لڑتیں؟ اگر ان کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ الیکشن لڑنے کی اجازت بھی رکھی گئی ہے تو پھر ان کی علیحدہ نشستوں کے کیا معنی؟ اگر بے نظیر عام الیکشن لڑ کر ایک سے زائد جگہ سے کامیاب ہو سکتی ہیں اور اگر عابدہ حسین مردوں کے مقابلے میں الیکشن جیت سکتی ہیں تو باقی خواتین اسی راستے سے کیوں نہیں آتیں؟ اور آپ نے یہ طرفہ تماشا ملاحظہ کیا کہ اس نئی حکومت کے قیام سے لے کر اب تک حکومت اور اپوزیشن کے مابین جس واحد بات پر اتفاق رائے ہوا ہے وہ یہی ہے کہ عورتوں کی علیحدہ نشستوں کا معاملہ برقرار رکھا جائے! ناطقہ سر بگریباں ہے . . .! اس عرصے میں اور کسی پہلو سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی' کسی اور معاملے پر حکومت اور اپوزیشن کا اتفاقِ رائے نہیں ہوا حتیٰ کہ اب تک کسی قسم کی کوئی قانون سازی بھی نہیں ہو سکی' لیکن اس ایک معاملے میں' جو اسلام کے مزاج کے صریحاً خلاف ہے' فریقین کا اتفاقِ رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے تمدنی تصورات

میں کوئی فرق نہیں، ان کی ذہنیتیں ایک سی ہیں، حکومت ہو یا اپوزیشن جدید مغربی معاشرت اور مغربی تہذیب میں دونوں رنگے ہوتے ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی اسلامی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں، لہٰذا اس مسئلے پر ان میں اتفاق ہے۔ اور ہمارے مرحوم صدر ضیاء الحق صاحب نے تو عورتوں کی نشستیں ایک دم دوگنی کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے! اور کمال یہ ہے کہ اگرچہ اس مسئلے پر مولانا سمیع الحق صاحب کا بیان آیا ہے اور انہوں نے اسے غیر اسلامی اور مغربی تہذیب کا مظہر قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس کے باوجود ہم مسلم لیگ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تو وہی روش ہوئی جس سے ان آیات اور احادیث میں روکا گیا ہے کہ غلط بات کو غلط بھی کہنا لیکن ساتھ پھر بھی دیتے رہنا۔ اگر یہ غلط ہے تو غلط کا ساتھ کاہے کو دے رہے ہیں؟ ان سے ترکِ تعلق کیوں نہیں کرتے؟

اس بارے میں میرا موقف بالکل واضح ہے اور میں بارہا اسے بیان کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اس طرح کی مخلوط اسمبلیوں میں کسی عورت کا رکنِ اسمبلی ہونا ہی اسلام کے خلاف ہے۔ اگر آپ عورت کے وزیر اعظم ہونے پر اعتراض کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ عورت کا وزیر ہونا بھی تو قابلِ اعتراض ہے۔ اس کا تو کام ہے کہ گھر کے اندر اپنی ذمہ داریاں سنبھالے۔ اسلام مرد اور عورت کے لیے الگ الگ دائرۂ کار متعین کرتا ہے۔ آپ خواتین کو اسمبلی میں لانا چاہتے ہیں تو ان کے لیے علیحدہ اسمبلی بنا دیں۔ خواتین ووٹر ہی خواتین ارکانِ اسمبلی کا انتخاب کریں اور وہ ان کی نمائندہ بن کر اپنی علیحدہ اسمبلی میں بیٹھیں۔ اور یہ طے کر دیا جائے کہ جو بھی قانون سازی ہو وہ پہلے مردوں کی اسمبلی سے پاس ہو اور اس کے بعد اگر اسے خواتین کی اسمبلی سے بھی اکثریت ملے تب وہ کامیاب قرار دی جائے۔ اسی طرح میڈیکل کی تعلیم کے لیے بھی خواتین کے علیحدہ کالج بنائے جائیں، جن کا اپنا میرٹ ہو۔ اس وقت ہمارے پاس اتنی خواتین پروفیسرز اور ڈاکٹرز موجود ہیں کہ وہ پورے پورے کالج چلا سکتی ہیں۔ اسی طرح خواتین کے ہسپتال بھی علیحدہ ہوں جہاں سے ان کی تعلیمی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تاہم یہ سب کچھ اسی وقت ہوگا جب مغربی تہذیب کا بھوت سر سے اترے گا۔ لیکن اگر آپ اس کے لیے تیار نہیں تو ٹھیک ہے، انہیں ہر معاملے میں برابری کا حق دیجیے کہ پھر وہ کھلم کھلا میدان میں آ کر الیکشن بھی لڑیں اور

اوپن میرٹ پر داخلہ بھی حاصل کریں! بہرحال یہ دوطرفہ معاملہ قابل قبول نہیں ہے کہ ایک طرف تو اسمبلی کی سطح پر خواتین کی مخصوص نشستیں ہوں اور ان کا بالواسطہ (INDIRECT) الیکشن ہو رہا ہو، اور دوسری طرف میڈیکل کالجوں کے داخلے میں اوپن میرٹ کا معاملہ کیا جاتے کہ لڑکے لڑکیاں سب کو برابری کی بنیاد پر داخلہ مل سکے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ ان طالبات کی اکثریت شادی کے بعد میڈیکل پروفیشن کو تج دیتی ہے۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جو پھر ساری عمر شادی نہیں کرتیں لیکن ظاہر بات ہے یہ ایک خلافِ فطرت زندگی ہے جو ہمارے دین کے مزاج کے یکسر خلاف ہے۔ اور یہ اُن چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ "جسے میری سنّت پسند نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے"! معلوم ہوا کہ یہ چیزیں پسندیدہ نہیں ہیں۔ لیکن چلیے اگر یہی کچھ کرنا ہے تو آپ ہمیں دوطرفہ مار تو نہ ماریں۔! دین کے اعتبار سے تو یہ دونوں چیزیں غلط ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ دوطرفہ پالیسی خود ان کے اپنے موقف اور اپنے معیارات کے اعتبار سے بھی تضاد پر مبنی ہے۔ اس تضاد کو رفع ہونا چاہیے۔!

مَیں نے یہاں اس کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اس کو غلط اور غیر اسلامی کہنے کے باوجود یہ بھی کہا کہ ہم ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح تو بُرائی کو بُرائی کہنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے سوئے ظن سے بچائے، یہ تو ایک ایسی کوشش معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو اس کھاتے میں بھی نام لکھوا دیا جائے کہ ہم نے بُرائی کو بُرائی کہا ہے لیکن دوسری طرف اپنی سیاسی مصلحت پر بھی آنچ نہ آئے۔ حدیثِ نبوی تو یہ بتا رہی ہے کہ بُرائی کو بُرائی کہہ دینا کافی نہیں ہے، بلکہ "وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ" کے مصداق جو لوگ بُرائی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں اُن سے قطع تعلق کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو پھر ازرُوئے فرمانِ نبوی دل بھی باہم مل جائیں گے، جڑ جائیں گے۔ اور سب کے دلوں پر ایک سا رنگ چڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے!!

عذابِ الٰہی سے نجات کی واحد راہ

یہ ہماری آج کی گفتگو کا آخری موضوع ہے۔ اس سلسلے میں میں نے قرآن حکیم کے دو مقامات کا انتخاب کیا ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب آتا ہے تو اُس عذاب سے صرف وہی لوگ بچائے جاتے ہیں جو آخری وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ورنہ گیہوں کے ساتھ بالعموم گھن بھی پس جاتا ہے۔ ازروئے الفاظِ قرآنی: وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (الانفال: ۲۵) کہ لوگو، بچتے رہو اللہ کے اُس عذاب سے جو تم میں سے صرف انہی لوگوں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا جو بدکار تھے۔ بلکہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو دوسرے لوگ بھی، جو اگرچہ اُس حرام خوری میں ملوث نہ ہوں، اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس سے بچاؤ کی ضمانت صرف ان کے لیے ہے جو نہی عن المنکر کے فریضے کو آخری وقت تک سرانجام دیتے رہیں۔ چنانچہ فرمایا:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ج
وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ٥

(هود: ۱۱۶)

"سو کیوں نہ ہوئے ان قوموں میں جو تم سے پہلے تھیں کچھ ایسے لوگ جن میں خیر کا اثر باقی رہ گیا تھا کہ وہ زمین میں فساد سے منع کرتے رہتے، مگر تھوڑے کہ جنہیں ہم نے بچا لیا اُن میں سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اُسی چیز کے جس میں اُنہیں عیش ملا اور تھے وہ گناہ گار!"

یعنی پہلی قوموں میں سے جن لوگوں نے آخری دم تک یہ شرط پوری کی کہ وہ نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے، اللہ نے انہیں عذاب سے بچا لیا۔ لیکن جن لوگوں نے یہ شرط پوری نہیں کی وہ اُسی عذاب یافتہ قوم کے ساتھ لپیٹ میں لے لیے گئے۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا

بڑا عجیب ہے۔ اگر آپ اپنے اس وقت کے معاشرے کو بھی دیکھیں تو وہی نقشہ نظر آئے گا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ ــــ" اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی وہ اسی طور طریقے کے پیچھے پڑے رہے جس میں انہیں دولت و ثروت حاصل ہوئی تھی"۔ دن رات ایک ہی فکر ہے ایک ہی دھن سوار ہے اور ایک ہی سوچ طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لی جائے اور پھر اپنے اللوں تللوں، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اسراف و تبذیر کے ذریعے اس دولت کی بھرپور نمائش کی جائے۔ فرمایا: وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ــــ" اور وہ سب مجرم تھے"! اور اسی جرم کی پاداش میں ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ بہرحال اس وقت اس پوری آیت کا درس دینا مقصود نہیں، صرف "اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ" کے اعتبار سے حوالہ دیا جارہا ہے کہ ان میں بہت ہی قلیل تعداد میں وہ لوگ تھے جو برائی سے روکتے رہے اور انہی کو ہم نے نجات دے دی! یہی مضمون سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶۵ میں بھی وارد ہوا ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

"پس جب انہوں نے بھلا دیا اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی، تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برائی سے، اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے"!

اس آیۂ مبارکہ میں یہود کے ایک قبیلے کا ذکر ہے جو ساحلِ سمندر پر آباد تھا۔ یہود کو سبت (ہفتہ) کا پورا دن یادِ الٰہی میں بسر کرنے کی ہدایت تھی اور اس روز ان کے لیے کسی دنیوی کاروبار کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے سبت کے قانون کو توڑنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑتے تو نہیں تھے، لیکن سارا دن ساحل کے ساتھ ساتھ کھدائی کرتے رہتے اور بڑے بڑے گڑھے بنا کر ان میں سمندر کا پانی لے آتے تھے جس میں مچھلیاں بھی آجاتی تھیں۔ اگلے روز اتوار کو جا کر وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے تھے۔ گویا کہ سبت کے قانون کے اصل مقصد یعنی عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، دعا و مناجات اور تلاوتِ کتابِ الٰہی کو یکسر نظر انداز کر کے

اس کے بجائے سارا دن دنیا کے دھندے میں لگے رہتے، لیکن قانونی طور پر اس حیلے کا سہارا لیتے اور صاف صاف کہتے کہ ہم تو سبت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ہفتہ کو تو مچھلیاں نہیں پکڑتے، بلکہ اتوار کو پکڑتے ہیں۔ اس پر قوم تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اس جرم کا ارتکاب کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو اگرچہ اس جرم میں ملوث نہیں تھے اور اس کام کو غلط بھی سمجھتے تھے لیکن وہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو روک ٹوک کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ گویا نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہے تھے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جو اللہ کے فضل و کرم سے خود بھی اس نافرمانی سے بچے ہوئے تھے اور جو لوگ یہ غلط روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں وہ روکتے ٹوکتے بھی تھے۔ اس سے پہلی آیت نمبر (۱۶۴) میں ان میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا قول بیان ہوا ہے : لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا "کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے؟" یعنی اللہ تعالیٰ تو اب ان کو ہلاک کر کے رہے گا، یہ قوم اب باز آنے والی نہیں ہے، تم خواہ مخواہ انہیں روکنے کی کوشش میں اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہے ہو؟ کیوں ان کے پیچھے لگے ہوتے ہو اور اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہو؟ ان کا جواب تھا : مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ "تمہارے رب کے حضور عذر پیش کرنے کی غرض سے اور شاید کہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کر ہی لیں!" یعنی ہم تو اپنا نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے کیونکہ ہمیں تو اللہ کے حضور معذرت پیش کرنی ہے کہ اے اللہ ہم تو انہیں آخری وقت تک روکتے رہے، ہم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ اور پھر کیا عجب کہ ہمارے سمجھانے سے اللہ کسی کے دل میں تقویٰ پیدا کر دے اور اسے اپنا طرزِ عمل بدلنے کی توفیق عطا فرما دے! اب اس کے بعد فرمایا گیا : فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖ ——— "تو جب انہوں نے نظر انداز کر دیا اس ساری نصیحت کو جو انہیں کی جا رہی تھی۔" ان تک جو بھی نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا تھا، اس سے ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ ——— "ہم نے بچا لیا ان لوگوں کو جو برائی سے روکتے رہے تھے"۔ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

"اور جو لوگ ظلم کی روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں ہم نے ایک بہت بُرے عذاب میں پکڑ لیا' بسبب اس کے کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا تھے"!

قرآنِ حکیم کے یہ دو مقامات ہیں جن کی رُو سے عذابِ الٰہی سے نجات کی ضمانت صرف اُن لوگوں کو ملتی ہے جو نہی عن المنکر کا فریضہ آخری وقت تک سر انجام دیتے رہیں، قطع نظر اس سے کہ اس کا اثر ہو یا نہ ہو' لوگ مانیں یا نہ مانیں!!

آخر میں اسی مضمون سے متعلق ایک حدیث کا مطالعہ کر لیجئے۔

اس حدیث کے راوی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہ حذیفہؓ ہیں جو"صاحبُ سِرِّ النّبیّ" (نبیؐ کے رازدان) کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر انہیں بعض افراد کے بارے میں نام بنام بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ حذیفہ یہ میرا ایک راز ہے' اسے کسی کو بتانا نہیں! اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے نفاق کا پردہ چاک نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ عبداللہ ابن اُبَی کی نمازِ جنازہ بھی پڑھا دی جو کہ منافقین کا سردار تھا۔ میرے دروس میں یہ مضمون بڑی تفصیل سے آچکا ہے کہ اسلامی ریاست میں CATEGORIES بس دو ہی ہیں —— مسلم اور غیر مسلم۔ باقی رہے منافق تو وہ قانونی طور پر مسلمان ہی شمار ہوتے ہیں۔ بہرحال حضورؐ نے چونکہ انہیں ایک راز کے طور پر منافقین کے نام بتا دیئے تھے اس لیے ان کا نام صاحبُ سرّ النبیؐ پڑ گیا تھا۔ اور یہاں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا تھا: "اے حذیفہؓ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھ رہا ہوں، کہیں میرا نام تو ان میں نہیں تھا"! اپنے ایمان کے بارے میں اس درجے احساس تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، کہ کہیں اس دولتِ ایمان پر نفاق کا ڈاکہ نہ پڑ جائے! اور ہم اس درجے بے پرواہیں کہ ہمیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں' ہمیں تو اپنے مومنِ حقیقی ہونے پر مکمل یقین حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرمائے!

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلّم قال:

حضرت حذیفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا

اَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ

ورنہ پھر اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے گا

ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

پھر تم اسے پکارو گے، لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ

اسے روایت کیا امام ترمذیؒ نے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ذرا اپنے حالات کا جائزہ لیجئے۔ آج اس کا کیا سبب ہے کہ ہم اللہ کے حضور دعائیں کرتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں لیکن فتنے ہیں کہ پھیلتے ہی جا رہے ہیں، فساد کی آگ بڑھتی ہی جا رہی ہے، امن وامان ختم ہو چکا ہے، رات کا چین اور دن کا اطمینان رخصت ہو چکا ہے، بالفاظِ قرآنی: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ "بحر وبر میں فساد پھیل چکا ہے"، لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے اور نہ ہی ہمیں اس کی فکر ہے کہ اس عذاب سے بچنے کا راستہ کون سا ہے!!

آج کے درس کا حاصل یہ ہے کہ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے نہی عن المنکر! اس کا کم سے کم درجہ جسے اختیار کرنا دنیاوی عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے وہ 'باللسان' ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جدوجہد کی جائے اور ایسی جمعیت اور قوت فراہم کی جائے جو نہی عن المنکر بالید کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ یہی دو کام ہیں جو ہم اللہ کی تائید و توفیق سے کر رہے ہیں۔ انجمن خدام القرآن کی سطح پر قرآن کی یہ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تعلم اور نشر واشاعت ــــــ اور پھر تنظیمِ اسلامی کے نام سے ایک قوت فراہم کرنے کی کوشش! اللہ تعالیٰ کو جیسے کچھ منظور ہوگا، جب منظور ہوگا، اس کے نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ ہمیں اس کی

کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم "قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ" کے مصداق اللہ کی جناب میں ایک معذرت پیش کرنے کے قابل ہو جائیں اور پھر کیا معلوم کہ کب اللہ تعالیٰ کسے توفیق عطا فرما دیں۔ کل کی کسے خبر ہے۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ عمرؓ جو اپنے گھر سے محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے چلا تھا، وہ ان کی خدمت میں اپنی تلوار اپنے گلے میں لٹکا کر حاضر ہو جائے گا، جیسے غلام لٹکایا کرتے تھے۔ حالات کو بدلتے ہوئے اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ اور اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہرگز کسی غفلت یا تساہل کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہم نے جن آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کا مطالعہ کیا ہے' ان سب کے متن پر مشتمل ایک ڈیڑھ ورقہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ کو دوبارہ پڑھیے' اسے حرزِ جان بنا لیجئے اور اس سے آپ پر جو بھی حقیقت منکشف ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق طلب کیجئے!

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکامِ پاکستان

قیمت: مجلد -/۴۰ روپے، غیر مجلد -/۲۵ روپے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۶۰۰۳

پاکستان کیوں بنا ــــــ کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا ــــــ کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو ــــــ
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں ــــ وطن کی محبت
سطر سطر میں ــــ ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام ــــــ

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ
ٹیلیکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

شہر لاہور میں تنظیم اسلامی حلقۂ خواتین کی

دعوتی و تحریکی سرگرمیاں

(یہ رپورٹ تنظیمِ اسلامی کے پندرہویں سالانہ اجتماع کے موقع پر پیش کی گئی)

مرتبہ: بیگم شیخ رحیم الدین

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مارچ ۱۹۷۵ء میں جب تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اِس کی دعوت کا اصل ہدف مرد حضرات ہی تھے - اگرچہ خواتین میں تنظیم کا حلقہ بنانے کی اہمیت کبھی بھی نظروں سے کلیتہً اوجھل نہیں رہی تاہم اس کی جانب کوئی عملی پیش رفت نہ ہو سکی - لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات نے ثابت کر دیا کہ جس طرح گاڑی کے دو پہیوں میں ہر لحاظ سے ہم آہنگی ضروری ہے بالکل اسی طرح مرد اور عورت کے درمیان نظریات میں ہم آہنگی بہت ضروری ہے خصوصاً دین کے معاملات میں جب نظریات کا ٹکراؤ گھر کی چار دیواری کے اندر ہونے لگ جائے تو یہ چیز دعوتِ دین کے وسعت پذیر ہونے کے عمل میں رکاوٹ بن جاتی ہے -

لہٰذا اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے الحمد للہ جنوری ۸۳ء میں خواتین کے لئے بھی تنظیم میں شمولیت کا راستہ کھول دیا گیا - اس موقع پر تقریباً ۱۹ خواتین نے محترم امیر تنظیم اسلامی کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا اصل مقصد یہی تھا کہ خواتین میں بھی دین کا وہ جامع اور انقلابی تصوّر اجاگر ہو جو محترم امیر تنظیم اسلامی دامت برکاتہ کی کوششوں سے مردوں میں نفوذ کر رہا ہے - یوں تنظیم اسلامی میں خواتین کا ایک حلقہ تشکیل پا گیا - لیکن چونکہ مرکزی سطح پر اِس حلقہ کی وسعت کے ضمن میں خواتین کے ساتھ کچھ زیادہ تعاون نہیں کیا گیا' پھر یہ کہ کچھ تنظیمی خواتین ستر و حجاب کے باعث اور "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ" کے اصولی حکم کے پیش نظر اِس حلقہ کی کنوینگ صحیح طور پر نہ کر سکیں' لہٰذا اس وجہ سے ہمارا خواتین کا حلقہ کچھ زیادہ وسعت نہیں پا سکا اور اب تک تنظیمی خواتین کی تعداد ۱۲۲ سے زیادہ نہیں ہے -

یہاں اب ہم اُن چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر کریں گے جن پر اپنی ہمت و استطاعت اور اللہ کے فضل و کرم سے یہ حلقہ عمل پیرا ہے ------- مردوں کی طرح تنظیم اسلامی پاکستان کے خواتین کے حلقوں میں بھی سب سے مؤثر حلقہ لاہور ہی میں قائم ہے جہاں اُن کی تعداد ۷۰ ہے - امیرِ محترم کی زوجۂ محترمہ ہی حلقہ خواتین کی ناظمہ ہیں - اور لاہور میں حلقۂ خواتین میں دعوتی سرگرمیاں ان ہی کی زیرِ

نگرانی ہو رہی ہیں -

جنوری ۸۳ء سے مرکز یعنی قرآن اکیڈمی میں خواتین کا ماہانہ اجتماع الحمد للہ باقاعدگی سے ہو رہا ہے - اِس میں درسِ قرآن اور درسِ حدیث کا پروگرام ہوتا ہے اور بسا اوقات امیر تنظیم اسلامی کے کیسٹس بھی سنوائے جاتے ہیں - کچھ دیگر دعوتی و تدریسی پروگرام بھی ہوتے ہیں - اس میں تنظیمی بہنوں کے علاوہ عام خواتین بھی شرکت کرتی ہیں -

۱۹۸۶ء سے رفیقِ تنظیم محمد احمد صاحب کے مکان پر ماہانہ درس قرآن ہو رہا ہے - جس میں منتخب نصاب کا درس مکمل ہو چکا ہے - اس میں تقریباً ۳۵، ۴۰ خواتین شرکت کرتی ہیں - اور اب یہ درسِ قرآن وسطی تنظیم کے زیر اہتمام ہو رہا ہے -

۱۹۸۸ء سے رفیقِ تنظیم فیاض حکیم صاحب کے مکان واقع نواں کوٹ، ملتان روڈ پر خواتین کا ماہانہ اجتماع باقاعدگی سے ہو رہا ہے اور یہاں بھی منتخب نصاب کا درس مکمل ہو چکا ہے - یہاں بھی خواتین کی تعداد ۴۰ کے آس پاس ہوتی ہے - ۱۹۸۹ء سے یہ اجتماع جنوبی تنظیم کے زیر اہتمام ہو رہا ہے - اِس حلقے کا اجتماع مختلف رفقائے تنظیم کے مکان پر بھی ہوتا ہے -

۱۹۸۹ء سے شمالی تنظیم لاہور کے زیرِ اہتمام گڑھی شاہو مرکزی دفتر تنظیم اسلامی میں بھی خواتین کا ماہانہ اجتماع منعقد ہو رہا ہے - یہاں بھی درسِ قرآن و حدیث کے علاوہ مختلف موضوعات پر گفتگو کی جاتی ہے - یہاں اب تک ماہانہ تین یا چار اجتماعات ہوئے ہیں لیکن الحمد للہ خواتین کی تعداد میں قابلِ ذکر اضافہ ہوا ہے -

۱۹۸۷ء سے شرقی تنظیم لاہور کے زیرِ اہتمام خواتین کا تربیتی اجتماع بھی شروع کیا گیا ہے - اِس اجتماع میں تنظیمی خواتین کو مختلف موضوعات پر تقریر کرنے کی دعوت دی جاتی ہے - مزید بر آں اپنے بچوں اور اہلِ خانہ کی اصلاح کے معاملے پر بھی زور دیا جاتا ہے -

خواتین میں قرآن کا فہم و شعور پیدا کرنے کی غرض سے قرآن اکیڈمی میں ۱۹۸۴ء سے ترجمۂ قرآن کی ایک ہفتہ وار کلاس شروع کی گئی تھی جس میں شروع میں خواتین کی تعداد تقریباً ۳۰ تھی - اس تعداد میں بتدریج کمی آتی گئی - تاہم تقریباً پندرہ خواتین نے ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ قرآنِ شریف مکمل کر لیا ہے - قرآن کے ترجمے کے علاوہ چالیس احادیث کا مختصر سا کورس بھی کروایا گیا ہے

اسی طرح کی ایک اور کلاس ۱۹۸۷ء سے شروع کی گئی - جس میں مختلف گروپس کی صورت میں تقریباً ۲۵ خواتین قرآن کا ترجمہ پڑھ رہی ہیں اور احادیث کا ایک مختصر سا کورس بھی انہوں نے مکمل کر لیا ہے -

اس کے علاوہ عربی کی ابتدائی گرامر کی تدریس کے لئے بھی وقتاً فوقتاً کلاسز ہوتی رہتی ہیں جن میں خواتین کی تعداد عام طور پر ۲۵ - ۳۰ تک ہوتی ہے - ہمیں قوی امید ہے کہ خواتین کے تنظیم میں آنے سے تنظیمی مردوں کے گھروں کے حالات بہتر ہوئے ہوں گے اور ان شاء اللہ مزید بہتر ہوں گے - ہماری درخواست ہے کہ تنظیم کے حلقۂ خواتین کے کام کو آگے بڑھانے میں تمام رفقاء تنظیم ہمارے ساتھ تعاون کریں اور مندرجہ ذیل باتوں پر توجہ دیں -

☆ تنظیم میں شامل مرد اور عورت دونوں مل کر قریبی رشتہ داروں اور دوسری خواتین میں تنظیم اسلامی کی دعوت کو بھرپور طور پر پھیلائیں - اور انہیں اجتماعات میں لانے کی کوشش کریں -

☆ تنظیم اسلامی کے حلقہ خواتین کے لئے کچھ مخصوص لٹریچر طبع کروایا جائے تاکہ دوسری بہنوں میں دعوت کا کام آسان ہو -

☆ تنظیم میں شامل خواتین اگر اجتماعات میں آنا چاہیں تو مردوں کو چاہئے کہ وہ اُن سے نہ صرف تعاون کریں بلکہ ان کو اس معاملے میں تشویق و ترغیب دلائیں -

☆ تنظیم میں شامل جن مردوں کی بیگمات دین کی طرف راغب نہیں ہیں' انہیں دلنشین انداز میں اور تحمل سے سمجھائیں تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کو مشکل نہ سمجھیں اور دلی آمادگی کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں - بعض خواتین کو شکایت ہے کہ مرد اُن پر سختی کرتے ہیں جس سے اصلاحِ احوال کے بجائے بغاوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں -

☆ مسجد کے ساتھ جو خواتین ہال (قرآن اکیڈمی میں) ہے اُس کو صرف خواتین کے لئے ہی مخصوص رکھا جائے - اور اس میں مزید وسعت کی کوشش کی جائے - رمضان المبارک میں یہ ہال اپنی کم دامنی پر شاکی نظر آتا ہے -

ضرورت رشتہ اعلیٰ تعلیم یافتہ - دین دار، معزز فیملی کی ہمہ صفت موصوف بیٹی کے لیے مخلص، متقی اور موحد گھرانہ (جو غیر شرعی رسومات کے خلاف ہو) سے موزوں کنوارہ رشتہ درکار ہے - والدین پہلے ہی خط میں مکمل کوائف سے آگاہ فرمائیں -

"ح"

معرفت ماہنامہ "میثاق"

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

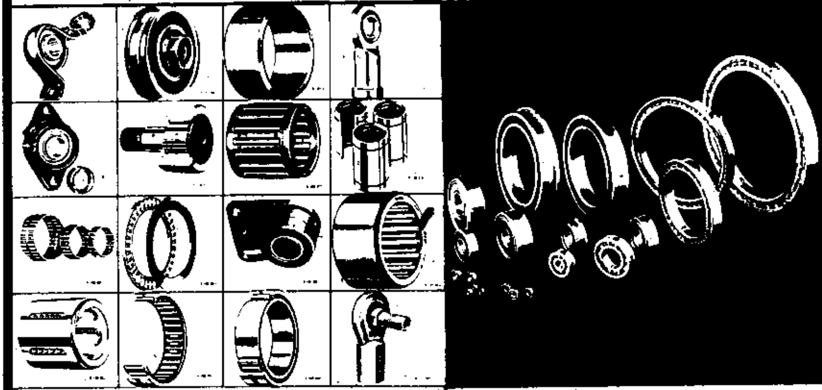

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

FAG TR NACHI Koyo NSK INA SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

يَدُ اللّٰهِ علی الجماعَةِ

(الحدیث)

ہیئتِ تنظیمی

اور

نظامُ العمل

تَنظِیمِ اسلامی

شائع کردہ

مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی پاکستان، ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ، لاہور

(فون :۔ ۳۰۵۱۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفعہ ۱: مقصد، نصب العین، اور تنظیمی اساس

ا۔ تنظیم اسلامی نہ معروف معنی میں سیاسی جماعت ہے، نہ مذہبی فرقہ، بلکہ ایک اصولی، اسلامی، انقلابی جماعت ہے جو پہلے پاکستان اور بالآخر کل روئے زمین پر اللہ کے دین کے غلبے، یعنی اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام، یا بالفاظ دیگر "اسلامی انقلاب" کے لئے کوشاں ہے۔

ب۔ انفرادی سطح پر اس کے جملہ شرکاء کا اصل نصب العین صرف رضائے الٰہی اور نجاتِ اخروی کا حصول ہے۔

ج۔ اس کے اساسی نظریات، اور بنیادی دینی تصورات ایک علیحدہ کتابچے میں تفصیل کے ساتھ قراردادِ تأسیس مع توضیحات، بنیادی عقائد مع تشریحات، اور فرائض دینی کے جامع تصوّر کے خلاصے کے ذریعے بیان ہو گئے ہیں جنہیں تنظیم کے اساسی فکر اور رہنما اصولوں کی حیثیت حاصل ہے۔

د۔ تنظیم اسلامی کی تنظیمی اساس 'سمع و طاعت فی المعروف' کی شخصی بیعت پر قائم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد ولد شیخ مختار احمد مرحوم کو اس کے داعی، مؤسّس اور تاحیات امیر کی حیثیت حاصل ہے اور اس میں شمولیت اُن کے ساتھ ذاتی طور پر بیعتِ مسنونہ کا تعلق استوار کر کے ہی ہو سکتی ہے۔ (دیکھئے دفعہ ۳ شق ب)

دفعہ ۲: امیر تنظیم کی نیابت اور خلافت

ا۔ امیر تنظیم کو یہ حق حاصل ہو گا کہ عند الوفات یا دورانِ حیات کسی مجبوری یا معذوری کی بنا پر اپنے منصب سے دست بردار ہونے کی صورت میں اپنا جانشین نامزد کر دیں۔ بصورت دیگر امیر تنظیم کا انتخاب مرکزی مجلس مشاورت (دیکھئے دفعہ ۸۔ شق 'ج') اتفاق رائے، یا اختلاف کی صورت میں کثرتِ رائے سے کرے گی۔ آراء کے مساوی ہونے کی صورت میں نائب امیر یا ناظمِ اعلیٰ کو اضافی ووٹ کا حق حاصل ہوگا۔ لیکن مذکورہ بالا تمام صورتوں میں صرف وہی لوگ تنظیم

میں شامل سمجھے جائیں گے جو نئے امیر سے بیعت کر لیں!

ب۔ بیرونی ممالک کے اسفار' اور عارضی علالت کی صورت میں امیر تنظیم اپنا ایک قائم مقام امیر مقرر کریں گے۔جن کی امارت امیر تنظیم کی سفر سے واپسی یا مرض سے صحت یابی پر از خود ختم ہو جائے گی۔

ج۔ تنظیم کی وسعت کی صورت میں اگر ضرورت داعی ہو تو امیر تنظیم ایک یا ایک سے زائد نائب امراء کا تقرّر کر سکیں گے۔

د۔ تنظیم کے جملہ ماتحت امراء (جیسے مقامی تنظیموں کے امراء وغیرہ) کی حیثیت بھی اصولی طور پر امیر تنظیم کے نائبین ہی کی ہو گی اور اُن کا نصب و عزل بالکلیہ اُن ہی کی صوابدید پر ہو گا۔ اگرچہ وہ اس کے لئے متعلّقہ رفقاء سے حسبِ منشا مشورہ کر سکیں گے۔

دفعہ ۳: شمولیت

ا۔ روئے ارضی کے کسی بھی مقام پر قیام پذیر ہر مسلمان (خواہ مرد ہو خواہ عورت) تنظیم میں شامل ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ:

(i) تنظیم کے اساسی نظریات اور تصوّرات سے فی الجملہ متفق ہو' اور

(ii) امیر تنظیم سے بیعت مسنونہ کے رشتے میں منسلک ہو جائے۔

ب۔ تنظیم میں شمولیت کے لئے بیعت کے الفاظ:

(i) مردوں کے لئے وہی ہوں گے جو بیعتِ عقبۂ ثانیہ کے ضمن میں صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ کی متفق علیہ روایت میں وارد ہوئے ہیں۔ البتہ ان میں "علی السّمع والطّاعۃ" کے بعد "فی المعروف" کے الفاظ کا اضافہ ہو گا۔

(ii) خواتین کے لئے بیعت کے الفاظ بعینہ وہی ہوں گے جو قرآن حکیم میں سورۂ ممتحنہ میں وارد ہوئے ہیں۔ (اور حدیث نبویؐ میں بھی بیعتِ عقبۂ اُولیٰ کے ضمن میں آئے ہیں!)

ج۔ تنظیم میں شامل مرد "رفیق" اور خواتین "رفیقہ" کہلائیں گی۔

د۔ پاکستان کی شہریت کے حامل رفقاء' خواہ پاکستان ہی میں مقیم ہوں' خواہ عارضی طور پر بیرون ملک قیام پذیر ہوں "تنظیم اسلامی پاکستان" میں شامل ہوں گے۔ جبکہ

دوسرے ممالک کی شہریت کے حامل رفقاء کا نظم جداگانہ ہوگا-چنانچہ پیش نظر نظام العمل ' اصلاً "تنظیم اسلامی پاکستان" کا ہے-

ھ۔ اسی طرح خواتین کا نظم بھی جداگانہ ہوگا-اور اس کے لئے امیر تنظیم کسی موزوں رفیقہ تنظیم کو ناظمہ کی حیثیت سے نامزد کریں گے-

دفعہ ۴: رفقاء کی درجہ بندی

ا۔ تنظیم اسلامی کے عہد نامہ رفاقت پر دستخط کرتے ہی ہر شخص تنظیم کا رفیق متصور ہوگا اور اسے فوری طور پر کسی اُسرہ یا مقامی تنظیم یا دفتر حلقہ 'یا مرکزی نظم سے منسلک کر دیا جائے گا- لیکن شق 'ب' میں درج شرائط کی تکمیل تک اسے "مبتدی رفیق" کہا جائے گا!

ب۔ ہر مبتدی رفیق کے لئے لازم ہوگا کہ جلد از جلد :

(i) ایک ہفتہ پر محیط "مبتدی تربیت گاہ" میں شرکت کرے جس کا نظام ایک معین تسلسل کے ساتھ مرکزی دفتر یا دفتر حلقہ میں جاری رہے گا-

(ii) ایک معین تربیتی نصاب کی تکمیل کرے!

(iii) اپنے آپ کو نظم کی پابندی کا خوگر بنائے جس کے ضمن میں نظم کے ذمہ دار حضرات (امیر مقامی تنظیم 'یا ناظم حلقہ 'یا ناظم اعلیٰ) کا اطمینان ضروری ہوگا-

ج۔ شق 'ب' میں مذکور شرائطِ ثلاثہ کی تکمیل کر لینے والے رفیق کو امیر تنظیم اپنے اطمینان کے بعد بیعت کی قبولیت کی سند جاری کریں گے اور اس کے بعد ہی وہ "ملتزم رفیق" شمار ہوگا-

د۔ تنظیم میں اُسروں کے نقیب 'مقامی تنظیموں کے امراء 'اور مقامی و مرکزی ناظمین کا تقرر صرف ملتزم رفقاء میں سے ہوگا- نیز تنظیم کی مرکزی مجلسِ مشاورت (دیکھئے دفعہ ۸- شق 'ج') کے انتخاب کے ضمن میں حق رائے دہی بھی صرف ان ہی کو حاصل ہوگا-

ھ۔ جو رفقاء منتظم قرار پانے کے بعد کسی سبب سے اضمحلال کا شکار ہو جائیں اور نظم

کی پابندی نہ کریں، وہ "معتذر رفیق" کہلائیں گے - لیکن اس کا فیصلہ بھی ماتحت نظم کے مشورے سے امیر تنظیم خود کریں گے - اور انہیں دوبارہ متحرک اور منتظم بنانے کے لئے کوشش میں مقامی نظم کے علاوہ مرکز بھی حصہ لے گا!

و۔ معتذر رفقاء نہ تنظیم کے کسی منصب پر فائز رہ سکیں گے - نہ ہی مرکزی مجلسِ مشاورت کے انتخاب کے لئے رائے دے سکیں گے -

دفعہ ۵: تنظیم سے علیحدگی یا اخراج

ا۔ کسی رفیق کو محض نظم کی پابندی میں تساہل پر تنظیم سے خارج نہیں کیا جائے گا-

ب۔ البتہ اگر کسی رفیق تنظیم کے بارے میں یہ بات علم میں آئے کہ :

(i) وہ کسی فرض کا تارک یا حرام کا مرتکب ہے - اور اس میں اصلاح حال کا کوئی حقیقی ارادہ موجود نہیں ہے، یا

(ii) اس کے کسی عمل یا روش سے تنظیم کی بدنامی کا اندیشہ ہے، --- یا

(iii) وہ تنظیم کے نظم کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے،

تو ایسے رفیق کو تنظیم سے خارج کیا جا سکے گا!

ج۔ کسی رفیق کے تنظیم سے اخراج کا فیصلہ صرف امیر تنظیم کریں گے، ماتحت نظم صرف سفارش کر سکے گا - اور متعلقہ رفیق کو وضاحت کا پورا موقع دیا جائے گا!

د۔ اگر ضرورت داعی ہو تو کسی رفیق کے اخراج کا اعلان عام بھی کیا جا سکے گا!

ھ۔ ویسے تو چونکہ تنظیم اسلامی ہرگز اُس 'الجماعت' کی حیثیت نہیں رکھتی جس سے علیحدگی کے ضمن میں "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" کی وعید وارد ہوئی ہے ---- لہٰذا امیرِ تنظیم سے اپنی بیعت فسخ کر کے تنظیم سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق ہر رفیق کو ہر دم حاصل ہو گا ---- لیکن ایک خالص دینی ہیئتِ اجتماعیہ بالخصوص "بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف" کی اساس پر قائم ہونے والی تنظیم سے علیحدگی عام سیاسی یا سماجی تنظیموں سے علیحدگی کے مانند نہیں ہے، لہٰذا رفقاء کے احساس ذمہ داری اور عہد رفاقت کی مسئولیت کے پیش نظر توقع کی جائے گی کہ کوئی رفیق تنظیم

یہ انتہائی قدم اسی صورت میں اٹھائیں جب یا تو امیر تنظیم پر اعتماد باقی نہ رہے، یا پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں کوئی بنیادی اختلاف پیدا ہو جائے جو کسی طرح بھی رفع نہ ہو سکے ------ مزید بر آں یہ توقع بھی کی جائے گی کہ علیحدہ ہونے والے رفیق اپنے فیصلہ سے امیر تنظیم کو باضابطہ مطلع کر دیں، بصورتِ دیگر عند اللہ جواب دہی باقی رہے گی۔

دفعہ ۶: تنظیمی ڈھانچہ

(۱) تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ مرکزی نظام، حلقہ جاتی نظام، مقامی تنظیمیں، اُسرہ جات، اور منفرد رفقاء پر مشتمل ہو گا۔

(۲) منفرد رفقاء

ا۔ اگر کسی مقام پر رفقاء کی تعداد پانچ سے کم ہو اور/یا کوئی ایسے رفیق موجود نہ ہوں جو نقیب کی ذمہ داری سنبھال سکیں تو وہ سب "منفرد رفیق" شمار ہوں گے اور براہ راست مرکز یا اس کی ہدایت کے مطابق دفتر حلقہ سے منسلک ہوں گے۔

ب۔ ایسے رفقاء کو بھی منفرد قرار دے کر براہ راست مرکز یا حلقہ سے منسلک کر لیا جائے گا جن کا کسی خاص سبب کے باعث عام نظم سے وابستہ ہونا مناسب نہ ہو۔

(۳) نظام اُسرہ

ا۔ جس مقام پر رفقاء کی تعداد پانچ یا اس سے زائد ہو جائے، اور کوئی ایسے رفیق بھی موجود ہوں جو نقیب کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں وہاں نظام اُسرہ قائم کر دیا جائے گا۔

ب۔ اُسرہ کے نقیب کا تقرر مقامی امیر، یا ناظمِ حلقہ، یا امیر تنظیم کریں گے۔ اور ہر نقیب اپنے تقرر کرنے والے ہی کے سامنے جواب دہ ہو گا۔

ج۔ ایک اسرہ میں کم ازکم پانچ رفقاء شامل ہوں گے۔ اور کوشش کی جاتی رہے گی کہ رفقاء کی تعداد دس سے زائد ہو جانے پر جلد از جلد علیحدہ اسرہ قائم

کیا جائے!

(۴) مقامی تنظیم

ا۔ جس مقام پر دس یا اس سے زیادہ ملتزم رفقاء موجود ہوں گے اور کوئی ایسے باصلاحیت رفیق بھی موجود ہوں گے جو امارت کی ذمہ داری سنبھالنے کے اہل ہوں وہاں مقامی تنظیم قائم کر دی جائے گی۔

ب۔ بڑے شہروں میں ایک سے زائد مقامی تنظیمیں قائم کی جاسکیں گی!

ج۔ بڑی تنظیموں میں حسب ضرورت ناظم کا تقرر بھی ہو سکے گا اور دیگر معاونین کی خدمات بھی اعزازی یا بامعاوضہ حاصل کی جاسکیں گی لیکن نظمِ بالا کے ساتھ رابطے کی ذمہ داری اصلاً مقامی امیر ہی کی ہو گی۔

(۵) حلقہ جات

دعوت کی توسیع اور تنظیمی رابطوں کو آسان اور مستحکم بنانے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں 'صوبوں یا ڈویژنوں کی سطح پر' حلقہ جات قائم کئے جائیں گے - جو بالکلیہ مرکزی نظام کے تابع بلکہ اس کی توسیع (Extension) شمار ہوں گے -

دفعہ ۷: مرکزی نظام

ا۔ جب تک کسی نائب امیر کا تقرر نہ ہو امیر تنظیم کے بعد تنظیم اسلامی کے مرکزی نظام میں اہم ترین منصب "ناظم اعلیٰ" کا ہو گا - چنانچہ تنظیم میں دو ناظم اعلیٰ ہوں گے :

(i) "ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان" اور

(ii) "ناظم اعلیٰ برائے بیرون پاکستان" -

یہ دونوں ایک جانب براہ راست امیر تنظیم کو جواب دہ ہوں گے - اور ان ہی کی منشا کے مطابق کام کریں گے - اور دوسری جانب انہیں اپنے اپنے دائرے میں امیر تنظیم کے نمائندے کی حیثیت حاصل ہو گی - اور ان کے احکام مِن جانب امیرِ تنظیم متصور ہوں گے -

ب۔ تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی نظام میں ناظم اعلیٰ کے علاوہ حسب ذیل شعبوں کے ناظمین معین کئے جائیں گے جو نظم کے اعتبار سے ناظم اعلیٰ کے تحت ہوں گے لہٰذا ان کی تقرری میں بھی ناظم اعلیٰ کی رائے کو اہمیت دی جائے گی!

(i) معتمد (ii) ناظم تربیت

(iii) ناظم بیت المال (iv) ناظم نشر و اشاعت

تنظیم کی توسیع و ترقی کے ساتھ ساتھ نئے شعبے کھولے جاسکیں گے!

ج۔ تنظیم کے مرکزی حسابات کی جانچ پڑتال کے لئے ایک محاسب کا تقرر تنظیم کی مرکزی مجلس مشاورت کے منتخب ارکان کریں گے - اور وہ اپنی رپورٹ مرکزی مجلس مشاورت ہی کو پیش کرے گا!

د۔ حلقہ جات مرکزی نظام ہی کا حصہ شمار ہوں گے اور ان کے ناظمین بھی ناظم اعلیٰ ہی کو جواب دہ ہوں گے!

دفعہ ۸: نظام مشاورت

ا۔ نظام بیعت کے مطابق تنظیم اسلامی کی سربراہی اور رہنمائی اصلاً امیر تنظیم کی ذمہ داری ہے ------ تاہم قرآن حکیم کی ہدایات:

(i) "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (الشوریٰ ۳۸) اور

(ii) "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" (آل عمران ۱۵۹)

کی رُو سے مشورہ امیر تنظیم کی دینی اور تنظیمی 'ضرورت' ہے جس کو حسبِ ذیل طریقوں سے پورا کیا جائے گا ------ لیکن "بیعت سمع و طاعت فی المعروف" کے منطقی تقاضے کے طور پر یہ واضح رہنا چاہئے کہ ہر معاملے میں امیر تنظیم ہی کا فیصلہ آخری اور حتمی ہو گا اور جملہ رفقائے تنظیم اسے "منشط" اور "مکرہ" دونوں صورتوں میں تسلیم کرنے کے پابند ہوں گے اِلّا یہ کہ اس سے حدیثِ نبویؐ کے الفاظ: "اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ فِيْهِ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ" کے مطابق شریعت کے کسی حکم کی صریحاً خلاف ورزی ہوتی ہو -

ب۔ تنظیم اسلامی کے مقاصد کے حصول کے لئے عملی پیش قدمی کے ضمن میں ضروری

فیصلے امیر تنظیم اپنے قریبی رفقاء اور مرکز کے مختلف شعبوں کے ناظمین کے مشورے سے کرتے رہیں گے جنہیں جدید اصطلاح میں "مجلس عاملہ" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس مجلس عاملہ کے اجلاس حسب ذیل پروگرام کے تحت حتی الامکان پابندی سے ہوتے رہیں گے :

(i) ایک ہفتہ وار اجلاس جس میں مرکز کے مختلف شعبوں کے ناظمین اور معتمدِ تنظیم شرکت کریں گے۔

(ii) ایک ماہانہ اجلاس جس میں ناظمین مرکز کے علاوہ ناظمین حلقہ جات بھی شریک ہوں گے۔

ج۔ ایک معین "مرکزی مجلس مشاورت" جس میں شق 'ب' میں مذکور مجلسِ عاملہ کے علاوہ اس کے ارکان کی مجموعی تعداد سے کم از کم ڈیڑھ گنی تعداد میں رفقاء تنظیم کے منتخب نمائندے شامل ہوں گے، قائم کی جائے گی۔

(i) اس مجلس کے لئے منتخب بھی صرف وہی رفقاء کئے جاسکیں گے جو "منتظم" ہوں اور ان کے انتخاب کے لئے حق رائے دہی بھی صرف منتظم رفقاء ہی کو حاصل ہوگا۔

(ii) اس کا انتخاب تنظیم کے منتظم رفقاء کی کل تعداد اور مطلوبہ تعدادِ اراکین مجلس کو سامنے رکھتے ہوئے رفقاء کی ایک معین تعداد میں سے ایک نمائندے کے اصول پر ہوگا۔

(iii) اس مجلس کے اجلاس حتی الامکان لگ بھگ تین ماہ کے وقفے سے ضرور ہوتے رہیں گے۔

(iv) اس مجلس میں پالیسی اور طریق کار کے اہم امور پر بحث و تمحیص کا بھی پورا موقع ہوگا۔ اور امیر تنظیم اور اراکین مجلس عاملہ پر تنقید کی جا سکے گی۔ بشرطیکہ دفعہ ۱۲ شق 'ب' کا تقاضا پورا کیا جاچکا ہو۔

(v) کوشش کی جائے گی کہ اس کا ایجنڈا بھی اجلاس سے پندرہ یوم قبل اراکین کو مل جائے ——— اور

(vi) اگر منتخب رکنِ مجلس کسی معاملے میں معلومات حاصل کرنا چاہے تو اس کا سوال اجلاس سے ایک ماہ قبل معتمد تنظیم کو موصول ہو جانا لازمی ہوگا!

د۔ مشاورت باہمی کی متذکرہ بالا جملہ مجالس میں امیر تنظیم حسب منشا دوسرے رفقاء کو بھی شرکت کی دعوت دے سکیں گے۔

ھ۔ ایک "توسیعی مشاورت" کا اجلاس تنظیم کے جملہ وابستگان کی آراء سے مستفید ہونے کے لئے ہر سال منعقد کیا جائے گا جس میں (i) جملہ رفقاء کو پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں تو اظہار رائے کی مکمل آزادی ہو گی۔ لیکن ذاتی تنقید یا محاسبہ صرف امیر تنظیم کا کیا جا سکے گا! ---(ii) امیر تنظیم اور ارکانِ مجلسِ عاملہ لازماً اور منتخب ارکانِ مجلسِ مشاورت حتی الامکان شریک ہوں گے --- لیکن ان سب کی حیثیت اصلاً سامع کی ہو گی تاکہ رفقاء کی رائے سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جا سکے۔ (iii) البتہ اگر کسی معاملے میں شدید ضرورت محسوس ہوئی تو امیر تنظیم وضاحت کر سکیں گے (iv) یہ اجلاس چار یوم تک جاری رہ سکے گا لیکن اس میں اظہار خیال کا حق صرف ان رفقاء کو ہو گا جو پہلے ہی دن اجلاس کے آغاز سے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی تاخیر سے پہنچ جائیں (v) اس اجلاس میں رفقاء تنظیم کے علاوہ حضرات مرافبین (دیکھئے دفعہ -۱۰) کو بھی اظہار رائے اور حق نصیحت ادا کرنے کا موقع دیا جائے گا' (vi) اس نوع کی توسیعی مشاورت کے اجلاس تنظیم کی توسیع کی مناسبت سے حسبِ ضرورت اضافی طور پر حلقہ جات کی سطح پر بھی منعقد کئے جا سکیں گے۔

مشاورت باہمی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مقامی تنظیموں کی سطح پر بھی تنظیم کے ذمہ دار حضرات اور اسرہ جات کے نقبا کے علاوہ، منتخب رفقاء کے نمائندوں پر مشتمل مجلس شوریٰ کا اہتمام کیا جائے گا ------ تاہم یہاں بھی فیصلہ کا آخری اختیار مقامی امیر ہی کو حاصل ہو گا!

دفعہ ۹: نظامِ مالیات

ا۔ رفقائے تنظیم اپنے صدقات واجبہ یعنی زکوٰۃ و عشر میں سے اگر ان کے قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں مستحقین موجود ہوں تو ان کو پہنچانے کے بعد جو باقی بچے اسے تنظیم کے مرکزی بیت المال میں جمع کرانے کے پابند ہوں گے۔

ب۔ ہر رفیق اپنے آپ کو پابند سمجھے گا کہ کچھ نہ کچھ صدقات نافلہ بھی آیۂ برّ (سورۃ البقرہ-۱۷۷) کے مطابق ہر ماہ ضرور کرے- لیکن یہ ایک راز رہے گا اس کے اور اللہ تعالےٰ کے مابین-

ج- تنظیم اپنے اخراجات کے لئے انحصار اپنے رفقاء ہی کے جذبۂ انفاق پر کرے گی اور عام چندے کی اپیل نہیں کرے گی-

د۔ دعوتی اور تنظیمی اخراجات کے لئے سرمایہ کی فراہمی کی خاطر انفاق فی سبیل اللہ کے ضمن میں ہر رفیق اپنی آمدنی کے کم از کم پانچ فی صد کے لگ بھگ ضرور تنظیم کو ادا کرے گا- کسی عذر کی صورت میں متعلقہ نظم کی سفارش پر امیرِتنظیم جزوی یا کلّی رعایت دے سکیں گے!

ھ- منفرد رفقاء اپنی ماہانہ اعانتیں مرکزی بیت المال میں جمع کرائیں گے-

و- اسی طرح اُسرہ جات سے متعلق رفقاء بھی اگر اُن کا اُسرہ مرکز یا دفتر حلقہ سے منسلک ہو تو اپنی اعانتیں براہ راست مرکزی بیت المال میں جمع کرائیں گے' اور اگر اسرہ کسی مقامی تنظیم سے منسلک ہو تو اس کے بیت المال میں جمع کرائیں گے ----- گویا اسرہ کی سطح پر کوئی مستقل 'بیت المال' نہیں ہو گا-

ز- تنظیم میں مستقل بیت المال صرف مرکز اور مقامی تنظیم کی سطح پر ہو گا-

ح- مرکزی بیت المال امیر تنظیم' ناظم اعلیٰ' اور ناظم بیت المال کی مشترک تحویل میں ہو گا- اور اس کا بینک اکاؤنٹ بھی ان تینوں ہی کے نام پر کھلے گا جس سے رقوم ان میں سے کوئی سے دو حضرات کے دستخطوں سے نکلوائی جا سکیں گی-

ط- اسی طرح مقامی بیت المال بھی مقامی تنظیم کے امیر' ناظم مقامی بیت المال' اور کسی تیسرے شخص (معتمد' یا ناظم) کی مشترک تحویل میں ہو گا اور اس کی صورت بھی وہی ہو گی جو اوپر شق (ح) میں بیان ہو چکی ہے-

ی- مقامی تنظیمیں اپنی کل آمدنی کا نصف تو لازماً مرکزی بیت المال کو منتقل کر دیں گی' جس میں ہرگز کوئی استثناء نہیں ہو گا- اس کے علاوہ مرکز کی ضروریات اور مقامی تنظیموں کی سہولت کے مطابق مزید رقوم بھی مرکز طلب کر سکے گا-

ک- مقامی تنظیم کے بیت المال سے خرچ کرنے کا اختیار اصلاً مقامی امیر کو حاصل

ہو گا- لیکن اس ضمن میں وہ حتی الامکان مشورے سے کام کریں گے-

ل- اسی طرح مرکزی بیت المال سے خرچ کا اختیار بھی اصلاً امیر تنظیم کو حاصل ہو گا- اگرچہ وہ اپنے اس اختیار کو حسب منشاء سہولت ناظم اعلیٰ یا دیگر مرکزی ناظمین کو تفویض کر سکیں گے-

م- حلقہ جات میں کوئی مستقل بیت المال کا نظام نہیں ہو گا- بلکہ ان کے اخراجات مرکزی کے ذیل میں شمار ہوں گے - البتہ ایک معین دست گرداں رقم (Impresт) ناظم حلقہ اور معتمد کی مشترک تحویل میں رہے گی-

ن- مقامی تنظیموں کے بیت المال کے حسابات اور املاک کی جانچ پڑتال کی ذمہ داری مرکزی بیت المال کے ناظم پر ہو گی- جبکہ مرکزی بیت المال کے حسابات اور املاک کی جانچ پڑتال کے لئے مرکزی مجلس مشاورت کے منتخب ارکان ایک "محاسب" کا تقرر کریں گے-

دفعہ ۱۰: حلقۂ مراقبین

ا- ایسے اصحاب علم و فضل پر مشتمل ایک "حلقۂ مراقبین" قائم کیا جائے گا جو کسی سبب سے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ تو شامل نہ ہوں لیکن اس کے نظریات سے مجموعی اتفاق اور اس کے مقاصد سے عمومی دلچسپی رکھتے ہوں- اور یہ ذمہ داری قبول کر لیں کہ وہ عند الطلب مشورہ بھی دیتے رہیں گے اور تنظیم کی سرگرمیوں پر نگاہ بھی رکھیں گے تاکہ اگر کوئی غلط رجحان نظر آئے تو بر وقت متنبہ کر دیں-

ب- اس حلقے میں صرف وہی اہل علم و فضل شامل ہو سکیں گے جن سے خود امیر تنظیم اسلامی درخواست کریں-

ج- اس حلقے کے کوئی صاحب اگر کوئی غلط رجحان دیکھیں تو اولاً وہ امیر تنظیم کو متوجہ کریں گے- اگر انہیں ان کی رائے سے اتفاق ہو جائے گا تو اس صورت میں تو اصلاح ہو ہی جائے گی- بصورت دیگر ان کی رائے 'میثاق' میں شائع کر دی جائے گی تاکہ تمام رفقاء کے علم میں آجائے-

دفعہ ۱۱: اختلاف کے حقوق اور آداب

ا۔ جملہ رفقائے تنظیم پوری طرح آزاد ہوں گے کہ اہلِ سنّت کے جس فقہی مذہب یا مسلک پر چاہیں عمل کریں ------- لیکن اس ضمن میں مناظرانہ بحث و تمحیص سے کلّی اجتناب ضروری ہو گا۔ اگرچہ خالص علمی انداز میں' اور افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت تبادلۂ خیالات پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔

ب۔ اسی طرح ہر رفیق تنظیم آزاد ہو گا کہ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کے لئے معروف سلاسلِ سلوک میں سے جس سے چاہے منسلک ہو جائے اور کسی مربّی و مزکّی سے بیعتِ ارشاد کا رشتہ بھی استوار کر لے۔ تاہم یہ واضح رہنا چاہئے کہ بیعتِ تنظیم بیعتِ ارشاد پر فائق ہو گی۔

ج۔ اسی طرح تنظیم اپنے مقصد کے حصول کے لئے جو عملی تدابیر اختیار کرے یا ملکی حالات و مسائل کے بارے میں جو آراء امیر تنظیم ظاہر کریں اُن سے اختلاف کا حق بھی رفقائے تنظیم کو پوری طرح حاصل ہو گا اور مناسب احتیاط (دیکھئے شق 'د') کے ساتھ اُس کے اظہار میں بھی کوئی قباحت نہ ہو گی' تاکہ نہ تنظیم میں گھٹن محسوس ہو' نہ ذہنوں پر تالے پڑیں' بلکہ آزادیٔ فکر اور اظہارِ رائے کا صحت مند ماحول برقرار رہے اور اس طرح اختلاف رائے تنظیم کے حق میں رحمت اور اس کے مقاصد کے لئے مفید ثابت ہو۔ اختلاف رائے اور اس کے اظہار کے "صحت مند" ہونے کی علامت یہ ہو گی کہ متعلقہ رفیق کے طرز عمل میں "سمع و طاعت فی المعروف" کے اعتبار سے کوئی کمی یا تساہل نظر نہ آئے!

د۔ اختلاف رائے کے اظہار کے سلسلے میں حسب ذیل احتیاطیں ضروری ہوں گی:

(i) یہ اظہار رائے صرف ملتزم رفقاء ہی کے مابین ہونا چاہئے' چنانچہ ملتزم رفقاء کا مبتدی اور معتذر رفقاء کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کرنا نظم کی خلاف ورزی متصوّر ہو گا۔ وہ مبتدی اور معتذر رفقاء کی بات سن کر اگر انہیں مطمئن کر سکیں تو دوسری بات ہے ورنہ سکوت لازم ہو گا!

(ii) ملتزم رفقاء کے ساتھ گفتگو میں بھی ان آیاتِ قرآنیہ کے مفہوم اور مدلول کے مطابق مخاطب کی استعداد اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھنا

تنظیم بلکہ خود اُس رفیق کی خیر خواہی کے اعتبار سے بھی ضروری ہو گا جس سے اس نوع کی گفتگو کی جا رہی ہو:

• اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء: ۵۸)

• لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ (النساء: ۸۳)

دفعہ ۱۲: ذاتی تنقید اور محاسبہ

الف۔ تنظیم کی پالیسی یا امیر تنظیم کی سیاسی آراء کے مقابلے میں کسی رفیق اور بالخصوص ذمہ دار حضرات پر ذاتی تنقید اور شخصی محاسبے کے ضمن میں بہت زیادہ احتیاط اور حد درجہ احساس ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا لازم ہو گا۔

ب۔ اس سلسلے میں اس داخلی احساس اور شعوری تنبّہ کے ساتھ ساتھ کہ اس میں نہ اپنے عُجب اور تکبّر کو دخل ہو' نہ دوسرے کی توہین و تذلیل یا اسے صدمہ پہنچانے کا جذبہ کار فرما ہو' بلکہ تنقید اور محاسبہ سراسر خلوص و اخلاص اور نصح اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت ہو' حسب ذیل ضابطوں کی پابندی بھی لازمی ہوگی اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا سرزنش کا مستحق اور تادیبی کارروائی کا مستوجب ہو گا:۔

(i) جس رفیق تنظیم' یا ذمہ دار ساتھی میں کوئی قابل اصلاح پہلو نظر آئے لازم ہو گا کہ پہلے اُسے علیحدگی میں بالمشافہ گفتگو کے ذریعے اصلاح کی جانب متوجہ کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں ایک مناسب مدّت تک انتظار بھی کیا جائے ——— اس مرحلے کو طے کئے بغیر براہ راست تنقید اگر متعلقہ شخص کی غیر حاضری میں ہو گی تو "غیبت" کے حکم میں آئے گی جسے قرآن مجید میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے' اور اگر رُودررُو لیکن دوسرے لوگوں کی موجودگی میں ہو گی تو "همز" اور "لمز" کے حکم میں ہو گی جس پر "ویل" کی وعید وارد ہوئی ہے۔

(ii) لیکن اگر شق (i) کے مطابق مناسب کوشش کے بعد بھی یہ محسوس ہو کہ متعلقہ شخص میں یا تو اصلاح کا ارادہ ہی موجود نہیں ہے' یا قوّت ارادی اتنی کمزور ہے کہ اصلاح پر قدرت حاصل نہیں' اور دوسری طرف اس

کی کمزوری یا کوتاہی بھی اس نوعیت یا درجہ کی ہے کہ اُس سے تنظیم کے مقصد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تب بھی اس معاملے کا عام چرچا غلط ہوگا اور صحیح طرزِ عمل یہ ہوگا کہ زیرِ تنقید رفیق تنظیم کے نظم کی جس سطح پر ہو اُس کا معاملہ اُس سے بالاتر سطح تک پہنچا کر اپنے آپ کو کم از کم فوری طور پر بری الذّمہ سمجھا جائے!

(iii) پھر اگر یہ محسوس ہو کہ اس معاملے میں بالاتر نظم بھی کوتاہی یا تساہل سے کام لے رہا ہے تو معاملے کو درجہ بدرجہ اوپر لایا جا سکتا ہے - چنانچہ بلا لحاظِ مرتبہ و منصب جملہ رفقاءِ تنظیم کے معاملات براہِ راست امیرِ تنظیم کے سامنے بھی لائے جاسکیں گے اور کسی رکن مجلسِ مشاورت کے توسط سے مرکزی مجلس مشاورت کے اجلاس میں بھی پیش کیے جاسکیں گے۔ جبکہ خود امیرِ تنظیم پر تنقید اسی طریقِ کار کے مطابق مرکزی مجلس مشاورت میں بھی ہوسکے گی اور توسیعی مشاورت کے اجلاس میں بھی (دیکھئے دفعہ ۸ شق ھ)

ج - نظم کے ذمّہ دار حضرات کے اپنے حلقۂ نظم میں شامل رفقاء کے بارے میں ایسے صلاح و مشورہ پر جو تنظیم کے مصالح کے لئے ناگزیر ہو شق ب(i) کا اطلاق نہیں ہوگا۔

دفعہ ۱۳: بامعاوضہ کارکن

بامعاوضہ اور ہمہ وقتی کارکن تحریکوں اور تنظیموں کی ناگزیر ضرورت بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسری جانب اگر احتیاط ملحوظ نہ رکھی جائے تو یہ ادارہ تحریکوں اور تنظیموں کی تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے - تنظیم اسلامی میں اس سلسلے میں حسب ذیل احتیاطیں ملحوظ رکھی جائیں گی:

ا- اُسروں کے نقباء، مقامی تنظیموں کے امراء اور امیر تنظیم کو حسبِ ضرورت مختلف قسم کی سہولتیں (جیسے رہائش یا ٹرانسپورٹ وغیرہ) تو بہم پہنچائی جاسکتی ہیں، لیکن ان مناصب پر کبھی کوئی باضابطہ تنخواہ یافتہ کارکن فائز نہیں ہوسکے گا۔ جب کہ باقی جملہ دفتری یا تنظیمی مناصب کے لئے بامعاوضہ ہمہ وقت کارکنوں کی حیثیت سے باصلاحیت رفقاء کی خدمات حاصل کی جاسکیں گی۔

ب - دفتری یا دیگر عمومی نوعیت کی خدمات (جیسے کلرک، قاصد اور گاڑیوں کے

ڈرائیور وغیرہ) کے لئے سرکاری محکموں یا درمیانی درجہ کے کاروباری اداروں کی سطح کے معاوضے دیئے جاسکیں گے - لیکن مقامی 'حلقہ جاتی' یا مرکزی "ناظمین" کا معاوضہ بہر صورت اُس تنخواہ سے کم از کم پچیس فی صد کم ہو گا جو اُن کی سی تعلیمی اور فنی استعداد کے حامل لوگوں کو سرکاری محکموں میں ملتی ہو!

ج - تنظیم کا کوئی بامعاوضہ کارکن نہ صرف رفقاءِ تنظیم' بلکہ ایسے لوگوں سے بھی جن سے اُس کا تعارف تنظیم ہی کی وساطت سے ہوا ہو:
(i) نہ کوئی صدقہ یا اعانت قبول کر سکے گا- (ii) نہ تنظیم کی اطلاع اور اجازت کے بغیر ہدایا وصول کر سکے گا (ماسوائے اُن گھریلو ہدیوں کے جن کا تبادلہ پڑوس کی بنیاد پر ہوتا ہے) (iii) نہ ہی کوئی قرض لے سکے گا!
بلکہ اپنی کسی ہنگامی ضرورت کے لئے تنظیم ہی سے رجوع کرے گا - جو ضرورت کی نوعیت اور اپنے ذرائع کی وسعت کے مطابق تعاون کرنے کی کوشش کرے گی!

دفعہ ۱۴: تنظیمِ اسلامی اور ملکی انتخابات

ا- تنظیم اسلامی نہ بحیثیت جماعت ملکی انتخابات میں حصہ لے گی' نہ ہی اپنے کسی رفیق کو اجازت دے گی کہ وہ کسی انتخاب میں خود بحیثیتِ امیدوار کھڑا ہو یا کسی دوسرے امیدوار ' یا جماعت یا محاذ کے حق میں کنویسنگ کرے - اس معاملے میں خلاف ورزی اخراج عن التنظیم پر بھی منتج ہو سکے گی!

ب- البتہ رفقاء تنظیم اپنا حق رائے دہی' جو اصلاً قومی امانت ہے' ادا کرنے کے لئے کسی امیدوار کو ووٹ دے سکیں گے - بشرطیکہ وہ امیدوار:
(i) کم از کم ظاہری اعتبار سے فسق وفجور کا مرتکب نہ ہو' ------ اور
(ii) کسی ایسی جماعت سے وابستہ نہ ہو جس کے منشور میں کوئی بات خلافِ شریعت موجود ہو - تاہم نظم کے اعتبار سے اس ضمن میں متعلقہ رفیق کی ذاتی رائے اور صوابدید ہی حتمی ہو گی!

ج- اس دفعہ کا اطلاق مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں اور سینیٹ کے علاوہ بلدیاتی

(باقی صہ۱۲ پر)

Jawad

We are man[illegible] and exporting ready made garments [illegible] shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing, kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
M.C. 3-A, Commercial Area,
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele: 610220 616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 39 No. 5
MAY 1990